

الطلاق معروف و معروف و المعروف و المعروف

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اور

اُن کا شرعی حل



مکمل سیر

مولانا عبدالحق صاحب دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

*** توجہ فرمائیں ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب۔۔۔

* عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

* مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ [UPLOAD] کی جاتی ہیں۔

* متعلقہ ناشرین کی تحریری اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

* دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

**** تنبیہ ****

**** کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب کسی بھی الیکٹرانک کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔**

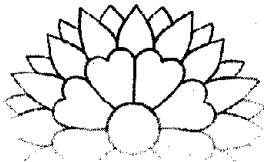
**** ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔**

نشر و اشاعت اور کتب کے استعمال سے متعلق کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں :

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.kitabosunnat.com



ایک مجلس کی تین طلاقیں

اور

اُن کا شرعی حل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

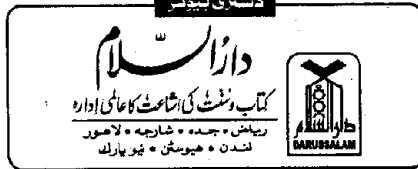
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل
مصنف: مولانا عبد الرحمان کیلانی
اشاعت اول: ستمبر: 2004
تعداد: 1100
زیر سرپرستی: ڈاکٹر حبیب الرحمان کیلانی
زیر اہتمام: نجیب الرحمان کیلانی فون: 7844157
ناشر: ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمان کیلانی۔ انجینئر حافظ شفیق الرحمان کیلانی
مطبع: آئد پر پرنٹنگ پریس 50 لوئر مال لاہور
قیمت: 45 روپے

ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر: 20، وین پورہ لاہور

فون: 7844157-7280943

دستوری بیورو



ہیڈ آفس و مرکزی شوروم 36 - لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 711 1023, 711 0081, 723 2400, 724 0024, فیکس: 735 4072

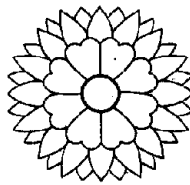
E-mail: darussalampk@hotmail.com Website: www.dar-us-salam.com

شوروم اردو بازار: راقم السنہ، غفری سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 712 0054 فیکس: 732 0703

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اور

اُن کا شرعی حل



مولانا عبدالرحمن بن علی بن علی

مکمل

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
35	طلاق کی شرائط	5	فہرست
38	احناف کے ہاں طلاق کی اقسام	7	عرض ناشر
40	امام مالکؒ کے ہاں طلاق کی اقسام	9	مقدمہ از محترم مبشر احمد ربانی صاحب
40	امام احمد بن حنبلؒ	20	عرض مؤلف
40	امام شافعیؒ	23	حضرت عمر کا فیصلہ سیاسی تھا یا شرعی
41	قاری صاحب کے نزدیک طلاق کی صورت	23	حضرت عمر کے اس فیصلہ پر پیر کرم شاہ
41	یک بارگی تین طلاق کی کراہت و حرمت		صاحب کا تبصرہ
	کے قرآنی دلائل	24	حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو سیاسی قرار
64	ایسی احادیث جو ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک واقع ہونے پر نفعی قطع ہیں		دینے والے دیگر حضرات
48	پہلا اعتراض یہ حدیث منسوخ ہے	27	فیصلہ کی شرعی حیثیت کی تعیین میں اختلافات
48	دوسرا اعتراض، یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے	30	قرآنی آیت سے قاری عبدالحفیظ کا
49	تیسرا اعتراض، اس حدیث میں کوئی حکم نہیں بلکہ یہ محض اطلاع ہے		استدلال
49	چوتھا اعتراض تین طلاقیں کہنے سے مراد محض ایک کی تاکید تھی	30	فائے تعقیب اور ثم کی بحث
50	پانچواں اعتراض یہ حدیث غیر مشہور ہے	32	طلاق کی مختلف شکلیں اور ان کے احکام
51	چھٹا اعتراض یہ حدیث موقوف ہے	33	عدت کے مسائل و احکام
51	ساتواں اعتراض، راوی کا فتویٰ ردایت	34	عدت کا مقصد
		34	کوئی عورت عدت کے اندر نکاح کرے
			تو وہ نکاح باطل ہوگا
			خاوند کا حق رجوع

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
88	سنت اور جائز کا مسئلہ		کے خلاف ہے
89	مسک کی حمایت	52	آٹھواں اعتراض، یہ حدیث بخاری میں
91	تقلید کی برکات		کیوں مذکور نہیں
92	طلاق یا بندوق کی گولی؟	52	نواں اعتراض سنت کی مخالفت اور سیدنا عمرؓ
92	تواصوا بالتقلید	53	دسواں اعتراض اجماع امت
93	کچھ آپس کی باتیں	53	حدیث رکانہ (مسند احمد) اور اس پر
93	اختلاف کا اعتراف		اعتراضات
94	طلاقوں کے درمیان وقفہ	56	تطلاق ثلاثہ کے ثبوت میں قاری
95	دوسرے مسلک پر عمل		صاحب کی پیش کردہ احادیث
97	افسوس ناک پہلو	57	امام ابن تیمیہ کا فتویٰ
98	اختلافات ختم نہ ہونے کی وجہ محض تقلید ہے	58	لعان کے بعد کی طلاقیں
100	ایک مجلس میں تین طلاق دینے والے کو سزا	59	لعان جدائی کی شدید تر قسم ہے
102	سزا کا مستوجب کون؟	60	مجوزین تطلاق ثلاثہ کے مزید دلائل اور ان
103	سزا کیا ہو؟		کے جوابات
105	معصیت کو قائم رکھنا بھی معصیت ہے	75	حضرت عمرؓ کا کارنامہ
105	حضرت عمرؓ کی ندامت	76	تطلاق ثلاثہ کے متعلق چار گروہ
105	تطلاق ثلاثہ کے سلسلہ میں ایک سوال اور اس کا جواب	78	تطلاق ثلاثہ میں اختلاف کرنے والے اور اختلاف کو تسلیم کرنے والے علماء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بے حساب فضل و کرم ہے کہ آج محترم والد صاحب مولانا عبد الرحمن کیلانی کی تفسیر ”تیسیر القرآن“ اور دیگر کتب سے لوگ کثیر تعداد میں مستفید ہو رہے ہیں۔ ان کے مضامین میں سے ایک ”تطبیق ثلاثہ“ کا مسئلہ تھا۔ جو کہ بعض وجوہات کی بنا پر ابھی تک یکبارگی شائع نہ ہو سکا۔ طلاق کا مسئلہ کتاب و سنت میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اکٹھی تین طلاقیں دینا شرعی لحاظ سے سخت ناپسندیدہ ہے۔ اگر کوئی اکٹھی تین طلاقیں جہالت یا نادانی کی وجہ سے دے بھی دیتا ہے تو وہ ایک ہی واقعہ ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دورِ مبارک میں اسی طرح فیصلہ دیا تھا۔ اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں اسی کے مطابق فیصلہ ہوتا رہا۔ تین طلاق کا قانون مقرر کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ اس عرصہ میں پوری طرح سوچ سمجھ لیں۔ شاید اللہ ان کے اتحاد کی صورت پیدا فرمادے۔ جب لوگ بغیر سوچے سمجھے کثرت سے اسی طرح طلاق دینے لگے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ بچار کی مہلت تھی اس میں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ کیوں نہ ہم ان پر تینوں لاگو کر دیں۔ پھر انہوں نے بطور سزا ڈرانے دھمکانے کے لیے اور سیاسی طور پر تینوں طلاقیں لاگو کر دیں۔ اگر آج بھی ایسا مسئلہ پیش آئے تو نبی اکرم ﷺ کے فیصلہ کے مطابق وہ شرعاً ایک ہی طلاق ہوگی۔ مگر کچھ لوگوں نے اپنی خود ساختہ علمی اور فقہی موشگافیوں سے اس کو ناقابلِ فہم بنا دیا ہے۔ اس اہم موضوع پر والد صاحب کے مضامین مجلہ حرمین میں طبع ہوتے رہے۔ خیال تھا کہ جلد ہی انہیں اکٹھا کر کے باقاعدہ کتابی شکل دے دی جائے۔ مگر عزیزم قاری عرفان الحق صابر صاحب اس معاملے میں سبقت لے گئے۔ انہوں نے حافظ حامد محمود الحضری صاحب کے تعاون سے ان مضامین کو باقاعدہ ترتیب دی۔ لہذا اس کی

افادیت کے پیش نظر ہم اس عظیم علمی ورثے کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ تاکہ جو اس معاملے میں حق بات کا متلاشی ہو اسے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

محترم مبشر احمد ربانی صاحب حفظہ اللہ علمی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ کمپوزنگ کے بعد میں نے یہ کتاب نظر ثانی کے لیے محترم ربانی صاحب کو دی۔ انہوں نے عدیم الفرستی کے باوجود اس کو بغور دیکھا۔ اور اس کے لیے بھرپور علمی مقدمہ بھی سپرد قلم کیا۔ اللہ تعالیٰ محترم ربانی صاحب کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ ان کے شب و روز میں برکت عطا کرے اور ان کی مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے۔ اسی طرح قاری عرفان الحق صاحب اور حافظ حامد محمود صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس عظیم کام کی طرف میری توجہ مبذول کرائی۔

محترم والد صاحب کی کتب کو بہترین انداز میں طبع کرنے پر دارالسلام کے معزز کارکنان بھی شکرِیے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے امور میں برکت عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لیے ہدایت و نجات کا ذریعہ بنائے۔ ہمارے والدین مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ اس کتاب کو محترم والد صاحب کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ ان کے لواحقین کو زیادہ سے زیادہ دین حنیف کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نجیب الرحمن کیلانی

جامع مسجد الایمان شاہ فرید آباد ملتان روڈ کلاہور۔

فون: 7844157



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و سیات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ہادی لہ واشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان ان محمدًا عبده ورسوله۔ اما بعد!

زیر تبصرہ کتاب ”تطبیق ثلاثہ“ مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمۃ اللہ کی مرتب کردہ ہے جسے انہوں نے قاری عبدالحفیظ ریسرچ اسٹنٹ ادارہ منہاج کے تعاقب میں مرتب کیا ہے۔ سہ ماہی مجلہ ”منہاج“ اپریل 1987ء کے شمارہ میں مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمۃ اللہ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں مولانا موصوف نے پرویز اور جعفر پھلواری کے ایک اعتراض کا جواب لا جواب اپنے مخصوص انداز میں تحریر کیا اور اس ضمن میں ”طلاق ثلاثہ“ کا معروف زمانہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ ادارہ منہاج نے حنفی مسلک کی وکالت کرتے ہوئے مولانا کے مضمون کو من و عن شائع نہ کیا بلکہ قاری عبدالحفیظ نے اس پر حواشی غیر مفیدہ کا اضافہ کر کے تردیدنا سدید کے ساتھ طبع کیا۔ جس پر مولانا کیلائی کا قلم حرکت میں آ گیا اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ اس کا مفصل جواب تحریر کیا اور کئی وجوہات سے ان کے استدلال کی خامیوں کو واضح کیا۔ اور قاری صاحب کی علمی بے بضاعتی اور تناقضات کا احسن پیرائے میں جواب سپرد قلم کر دیا۔

عصر حاضر میں طلاق ثلاثہ کا سلسلہ عوام الناس میں کثرت کے ساتھ جاری ہے آئے روز کوئی نہ کوئی شخص یہ مسئلہ لے کر ہمارے دارالافتاء میں بھی دستک دیتا ہے اور مفتیان عظام کے فتویٰ حلالہ سے نالاں ہو کر عزت و عصمت کے بچاؤ کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتا ہے اور کچھ ترغیب اور وعظ و نصیحت کے باعث وہ قرآن و حدیث کے مطابق زندگی بسر کرنے لگ جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک کتاب و سنت کی روشنی میں مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق

رجعی شمار ہوتی ہے۔ متعدد یکجائی طلاق خواہ زبانی کلامی ہوں یا کتابی و تحریری صورت میں ایک کاغذ پر مرقوم ہوں یا الگ الگ تین کاغذوں پر خواہ الفاظ طلاق طلاق کے استعمال ہوں یا اکٹھی تین طلاقوں کے بہر صورت وہ ایک طلاق رجعی شمار کی جاتی ہے جس میں مرد کو دوران عدت رجوع کا مکمل حق ہوتا ہے اور عدت گزر جانے پر نیا نکاح کر کے اپنا گھر دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر اگر ایک طلاق کے بعد صلح کر لی اور دوبارہ طلاق دے دی تو دوران عدت پھر رجوع ہے اور عدت گزرنے پر نیا نکاح ہے اسی طرح زندگی میں پھر کبھی تیسری طلاق بھی دے ڈالی تو اب رجوع کا حق ختم ہو چکا اور اس مرد پر قطعی طور پر حرام ہو جائے گی لوگوں نے جو اکٹھی تین طلاقیں دینے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے یہ ان کی جہالت کا شاخسانہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ طلاق کا وقوع تبھی ہوتا ہے جب اکٹھی تینوں دے دی جائیں حالانکہ اکٹھی تین طلاقیں دنیا شریعت کے مطابق کتاب اللہ سے کھیلنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب ایک آدمی نے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالیں تو آپ نے فرمایا ”ایلعب کتاب اللہ؟ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلنا جا رہا ہے (نسائی)۔ لہذا کتاب اللہ سے کھیل کھیلنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ علماء احناف کو اس کھیل و روش کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے نہ کہ انہیں حلالہ کا دروازہ دکھا کر مزید شرعی احکامات سے کھیل کا موقع دیا جائے۔ طلاق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيْعٍ بِإِحْسَانٍ

”طلاق (رجعی) دو دفعہ ہے یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے

ساتھ چھوڑ دینا ہے۔“ (البقرہ: ۲۲۹)

اس آیت کریمہ میں کلمہ ”مرتان“ قابل غور ہے جو کہ ”مرۃ“ کا ثنیہ ہے جس کا معنی

ایک بار یا ایک دفعہ ہے تو مرتان کا معنی ہوا ”مرۃ بعد مرۃ“ یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ نہ کہ محض لفظی تکرار اور اس کی مثالیں قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا
الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ
وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ.

”اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈیاں اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں

اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ (۱) نماز فجر سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت جب تم آرام کے لیے اپنے کپڑے اتارتے ہو۔ (۳) اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔“ (النور: ۵۸)

اس آیت میں ”ثلاث مرآت“ تین دفعہ کا معنی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں تین الگ الگ اوقات ہیں نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ”مرتان“ کے لفظ میں تفریق کا مفہوم شامل ہے لہذا اس قاعدہ کے مطابق الطلاق مرتنان کا معنی بھی لامحالہ طلاق دو دفعہ ہی ہے۔ اکٹھی دو طلاقیں ہرگز نہیں بلکہ دو الگ الگ مواقع میں طلاق دینا ہے اور ان ہر دو مواقع میں مرد کو دوران عدت رجوع کا حق حاصل ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں ”طَلَّقُوا مَرَّتَيْنِ یعنی دفعَتین“ (تفسیر الکبیر ۱۰۳/۶) دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو پھر مزید فرماتے ہیں ”ان الطلاق المشروع متفرق لان المرات لا تكون الا بعد تفرق بالا جماع“ شروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ بالا جماع ”مرات“ تفریق کے بعد ہی ممکن ہے۔

علامہ زنجیری اپنی تفسیر ”الکشاف“ میں لکھتے ہیں ”الطلاق بمعنی التطلق كالسلام بمعنی التسليم ای التطلق الشرعی تطليقة بعد تطليقة على التفریق دون الجمع والارسال دفعة واحدة“ طلاق تطليق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے جیسا کہ سلام تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے یعنی شرعی طور پر طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دی جائے الگ الگ نہ کہ ایک ساتھ اور ایک دم اور ایک ہی بار میں۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے استاذ شیخ محمد تھانوی حاشیہ (نسائی ۲۹/۲) بحوالہ مجموعہ مقالات علیہ ص ۲۶ میں لکھتے ہیں:

”الطلاق مرتان معناه مرة بعد مرة فالطلاق الشرعی على التفریق دون الجمع والارسال مرة واحدة“ اسی طرح علامہ سبھی حنفی لکھتے ہیں ”فان معناه التطلق الشرعی تطليقة بعد تطليقة على التفریق دون الجمع والارسال مرة واحدة ولم يرد بالمرةين التشبيه ومثله قوله تعالى 'ثم ارجع البصر كرتين ای كرة بعد كرة لا كرتين اثنتين“ (حاشیہ سبھی علی النسائی ۲۵۳/۶)

دونوں خفی اکا برکی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیے نہ کہ ایک ہی بار اکٹھی طلاقیں۔ مرتین سے مراد تین نہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔ ”پھر نگاہ کو توبار بار پھیر“۔

یعنی ایک بار کے بعد دوسری بار نہ کہ اکٹھی ہی دو دفعہ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی خفی رقمطراز ہیں ”وكان القياس ان لا تكون الطلقتان المجتمعتان معتبرة شرعا و اذا لم يكن الطلقتان المجتمعتان معتبرة لم يكن الثلاث المجتمعمة معتبرة بالطريق الاولى لوجودهما فيها مع زيادة“ (تفسیر مظہری) اللہ تعالیٰ کے مرتان فرمانے اور شتان نہ فرمانے میں ایک امر کی دلیل ہے کہ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں دینی مکروہ ہیں کیونکہ مرتان کا لفظ عبارتہ تو تفریق پر دلالت کرتا ہے اور اشارہ عدد پر اور الطلاق میں لام جنس کے لیے ہے اور جنس کے علاوہ کچھ نہیں پس قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ اکٹھی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاقیں معتبر نہ ہوئیں تو تین طلاقیں اکٹھی دے دینی تو بدرجہ اولیٰ معتبر نہ ہوں گی کیونکہ تین میں دو کے علاوہ اور زیادتی ہے۔ (تفسیر مظہری اردو ۱/۴۹۳)

امام رازی لکھتے ہیں: ثم القائلون اختلفوا على قولين الاول هو اختيار كثير من علماء الدين انه لو طلقها اثنتين او ثلاثا لا يقع الا واحدة وهذا القول هو الاقوى لان النهي يدل على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة والقول بالوقوع سعي في ادخال تلك المفسدة في الوجود وانه غير جائز فوجب ان يحكم بعدم الوقوع“ کثیر علمائے دین کا کہنا ہے کہ جو شخص بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے وہ صرف ایک ہی واقع ہوتی ہے اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مبنی ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا باعث اور سبب ہے اور یہ جائز نہیں ہے پس طلاق کے نہ واقع ہونے کا حکم لگانا واجب ٹھہرا۔ (التفسیر الکبیر ۶/۱۰۳) مذکورہ بالا تصریح سے واضح ہو گیا کہ قرآن کا منشا یہ ہے کہ وقفہ بعد وقفہ طلاق ہونی چاہیے نہ کہ ایک ہی دفعہ کئی طلاقیں۔ لہذا اکٹھی طلاقیں ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہیں اور درجعی طلاقیں کے بعد اگر تیسری طلاق دے ڈالے تو عورت اس شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”فان طلقها

فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“

جو لوگ اکٹھی تین طلاقیں نافذ کر دیتے ہیں وہ مرد کا حق رجوع ضبط کر دیتے ہیں حالانکہ یہ حق اللہ نے اسے تفویض کیا ہے اور اللہ کا دیا ہوا حق ضبط کرنا سراسر نا انصافی اور ظلم ہے۔ اسی لیے اللہ نے طلاق کو حدود اللہ قرار دیا ہے چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا ”تسلک حدود اللہ فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون“ (البقرة: ۲۲۹) یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔ معلوم ہوا کہ قانون الہی سے ہٹ کر طلاقیں دینا حدود اللہ سے تجاوز، ظلم اور تعدی ہے اور اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی ظلم ہے اور کتاب اللہ سے مذاق ہے جیسا کہ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ اس نے اپنی اہلیہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”ایسلب بکتاب اللہ وانابین اظہر کم“ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ میری موجودگی میں کھیلنا جارہا ہے۔ (سنن النسائی ۳۴۰۱، فتح الباری ۳۶۲/۹) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلنا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے لہذا اکٹھی تین طلاقیں نافذ کر دینا ظلم و تعدی کا نفاذ ہے۔ اب اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ ملاحظہ ہوں۔

رکانہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی اہلیہ کو طلاق دے ڈالی تو بڑے مغموم و رنجور ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا معاملہ ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”کیف طلقتهما قال طلقتهما ثلاثا قال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت قال فرجعها“ تم نے طلاق کیسے دی ہے؟ اس نے کہا میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ایک ہی مجلس میں۔ اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک ہوئی ہے تم اس سے رجوع کر لو اگر چاہو تو۔ اس نے رجوع کر لیا۔ (مسند احمد ۲۶۵/۱ مسند ابی یعلیٰ ۲۴۹۵، بیہقی ۳۳۹/۷، فتح الباری ۳۶۳/۹، غایۃ المہفان ۳۰۵/۱ یہ روایت داؤد بن حصین از سکرۃ از ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس سند کو بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ محدثین نے صحیح قرار دیا ہے جیسے امام احمد بن حنبل (مجموع الفتاویٰ ۶۷/۳۳) اعلام الموقعین

۲۷۱/۲ امام ابو یعلیٰ، (فتح الباری ۳۶۲/۲) امام ابن کثیر، (تحفہ الاحوذی ۱۹۶/۲) امام یزید بن ہارون، (عون المعبود ۲۳۹/۲) امام ابن تیمیہ، (مجموع الفتاویٰ) محدث العصر علامہ ناصر الدین الالبانی (ارواء الغلیل ۱۳۵/۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری فرماتے ہیں ”هذا حديث نص في المسئلة لا يقبل التأويل“ فتح الباری ۳۶۲/۹

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے جو کسی قسم کی تاویل قبول نہیں کرتی۔ شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں اسنادہ صحیح (تخریج مسند احمد ۱۲۳/۴) قاضی شوکانی فرماتے ہیں ”اخرجه احمد و ابو یعلیٰ و صححه و هذا الحديث نص في محل النزاع“ اس حدیث کو امام احمد اور ابو یعلیٰ نے نکالا ہے اور ابو یعلیٰ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث محل نزاع میں نص ہے۔ (نیل الأوطار) نیز دیکھیں ترمذی، مساجد فی الزوجین المشرکین یسلم احدهما (تحفہ الاحوذی ۱۹۶/۲) المستدرک علی البخاری ۲۱۷/۲ عمدة القاری للبعینی ۲۷۳/۱ نصب الراية ۲۱۴-۲۰۹/۳

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه اناة فلو أمضيان عليهم فأمضاه عليهم“ (المصنف لعبد الرزاق ۳۹۱/۶-۳۹۲ رقم الحدیث ۱۱۳۳۶) صحیح مسلم (۱۳۷۲) مسند احمد ۳۱۳/۱ المستدرک علی البخاری ۲۱۳/۲ سنن الدار قطنی (۳۹۸۳) بیہقی ۳۳۶/۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی تھی پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بلاشبہ جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ و بچار کی مہلت تھی اس میں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ کاش کہ ہم ان پر تینوں لاگو کر دیں تو انہوں نے یہ طلاق ان پر لاگو کر دی۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عہد رسالت مآب جس میں دین کی تکمیل ہوئی

میں بھی اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق سمجھی جاتی تھی جس میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور یہ معاملہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک اسی طرح رہا پھر لوگوں کی غلت اور جلد بازی کے باعث انہوں نے سیاسی اور تہدید کی طور پر تین لاگو کر دیں۔ یہ معاملہ ان کا اجتہادی تھا۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو عہد رسالت میں بلکہ خود عہد فاروقی کی ابتدا میں تھا اور یہ بات بڑے بڑے حنفی علماء کو بھی تسلیم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاسی اور تہدید کی تھا۔ انہوں نے عوام کو ڈرانے دھمکانے کے لیے بطور سزا یہ اقدام کیا تھا۔ اس سلسلہ میں حنفی اکابرین کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ علامہ شیخ زادہ المعروف بدامافندی حنفی التونی ۸۷۸ھ رقمطراز ہیں۔

”واعلم ان فی صدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم يحكم الا بوقوع واحدة الى زمن عمر رضى الله تعالى عنه ثم حكم بوقوع الثلاث لكثرتہ بين الناس تهديدًا“ (مجمع الانهر فی شرح ملتقى الابهر ۶/۲ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)

۲۔ علامہ محمد بن علی المعروف بالعلاء الحنفی الحنفی التونی ۱۰۸۸ھ صاحب درمختار رقم ہیں:

”واعلم انه كان في الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم يحكم الا بوقوع واحدة الى زمن عمر رضى الله عنه ثم حكم بوقوع الثلاث سياسة لكثرتہ من الناس كما في القهستاني عن التمرشاشي (الدار المنتقى في شرح الملتقى ۶/۲ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت تحت مجمع الانهر)“

۳۔ علامہ شمس الدین محمد قسبانی التونی ۹۵۳ھ نے جامع الرموز شرح نفاہ ص ۳۲۱ میں

اور

۴۔ علامہ احمد بن محمد طحاوی التونی ۲۳۱ھ جو کہ مشہور حنفی فقیہ اور علامہ شامی کے استاذ

ہیں نے طحاوی حاشیہ درمختار ۱۰۵/۲ میں تقریباً یہی عبارت درج کی ہے۔

ان چاروں حنفی فقہاء کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ صدر اول سے لے کر عہد عمر رضی اللہ عنہ تک جب کوئی شخص اپنی اہلیہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا تو اس پر صرف ایک طلاق کا حکم لگایا جاتا تھا پھر جب لوگوں نے کثرت سے طلاق دینی شروع کر دی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

لوگوں کو اس فعلِ حرام سے باز رکھنے کے لیے سیاسی اور تہذیبی طور پر تین کا نفاذ کیا اور یہ معاملہ حاکم وقت کا اجتہادی تھا اور اجتہاد بدلتا رہتا ہے۔ جیسے زمانے کے حالات و واقعات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اسی طرح ائمہ دین کے اجتہادات میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جس کی بے شمار مثال فقہاء کی کتب میں موجود ہیں۔ اس کے برعکس شرعی نصوص میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ لہذا صحیح اور ناقابل تاویل مسئلہ یہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں اور اس طلاق رجعی میں دورانِ عدت رجوع ہو سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو از سر نو نکاح کر کے خانہ آبادی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کو ان کے شوہر نے ایک طلاق دے دی۔ پھر عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان رضامندی کا پروگرام ہونے لگا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ جو کہ اپنی ہمشیرہ کے ولی تھے نے نکاح میں رکاوٹ ڈال دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ واذا طلقتم النساء..... الخ البقرہ (۲۳۲)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔“

(البقرہ: ۲۳۲)

ملاحظہ ہو (جزء نمبر حدیث ابی الطاہر محمد بن احمد الذہلی رقم (۶۵) صحیح البخاری (۵۱۳۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۱ رقم (۴۶۷) بیہقی ۱۳۸/۷ الحجاب فی بیان الاسباب لابن حجر عسقلانی ۱۱۵۹۲-۵۹۰/۱ صحیح المسند من اسباب النزول للشیخ مقبل بن ہادی الوادعی ص ۲۶، تفسیر النسائی ۲۵۸/۱ رقم الحدیث (۶۱) جو لوگ اکٹھی تین طلاقیں کو نافذ کر کے حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ عالی شان یاد رکھنا چاہیے۔ ”لعن اللہ المحلل والمحلل لہ“۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند احمد ۳۱۴/۷ (۳۲۸۳، ۳۲۸۴) نسائی (۳۳۱۶) ترمذی (۱۱۲۰) طبرانی کبیر (۹۸۷۸) بیہقی ۱۲۰/۸ بن ابی شیبہ ۴۸۸/۸ المسند الجامع مع فتح المنان (۲۴۰۴) مسند ابی یعلیٰ ۴۶۸/۸ (۵۰۵۴) شرح السنہ (۲۲۹۳) میں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند احمد ۴۲/۱۲ (۸۲۸۷) مسند بزار کشف الاستار (۱۳۳۲) بیہقی ۲۰۸/۷..... علی رضی اللہ عنہ سے مسند

احمد ۶۷/۲ (۶۳۵) مسند بزار (۸۲۲/۸۲۱/۸۲۰/۸۱۹) ابن ماجہ (۱۹۳۵) ابوداؤد (۲۰۷۶) ترمذی (۱۱۱۹) نسائی (۵۱۱۹) بیہقی ۷/۲۰۸ المسند الجامع ۲۷/۱۳ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ (۱۹۳۶) المسند رک ۱۹۸/۲-۱۹۹ المسند الجامع ۲۹/۱۳..... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ (۱۹۳۳) المسند الجامع ۱۸۹/۹..... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی (۱۱۱۹) میں موجود ہے بلکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حلالہ کرنے والے کو ادھار ساٹھ قرار دیا گیا ہے۔

پیر کرم شاہ بھیردی بریلوی نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن ۱۵۹/۱ میں طلاق کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، ”اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جاسکتی یہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔“ آج کل اس کا حل حلالہ کی باعث صد نفیرین صورت میں تلاش کر لیا گیا ہے اس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پیش نظر رہے ”لعن اللہ المحلل والمحلل لہ“ حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھنکار اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھنکار۔

عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، ”اللہ کی قسم اگر میرے پاس حلالہ کرنے اور کروانے والے لائے گئے تو میں انہیں رجم کر دوں گا۔“

المصنف لعبد الرزاق کتاب النکاح باب التحلیل ۲۱۱/۶ (۱۰۸۱۹) بیہقی ۷/۲۰۸ سنن سعید بن منصور ۲/۳۹۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ہم حلالہ کو دو رو نبوی میں زنا شمار کرتے تھے۔“ (المسند رک ۲۱۷/۲ بیہقی ۷/۲۰۸ تخصیص الحیر ۲/۱۷۱ تحفۃ الاحوذی ۱۷۵/۲) بلکہ فرماتے تھے حلالہ کرنے والا مرد اور عورت اگر بیس سال بھی اکٹھے رہیں تو زانی ہوں گے۔ (المغنی لابن قدامہ ۵۱/۱۰ عبد الرزاق (۱۰۸۲۰) ۲۱۱/۶ طبع جدید) لہذا فعل حلالہ سے اجتناب کرتے ہوئے سائل اپنی مطلقہ سے عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو تجدید نکاح ہو سکتا ہے۔

پیر صاحب نے اپنے رسالہ ”دعوت فکر و نظر“ میں اس مسئلہ پر فریقین کے دلائل اور ان

کا محاکمہ کیا ہے اور اس میں اپنی رائے علمائے مصر اور علماء جامع ازہر کے ساتھ ظاہر کی ہے۔ مصر میں 1929ء میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر کے یہ قانون بنایا گیا کہ اکثریتی متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوگی اور وہ رجعی ہوگی۔ یہی قانون سوڈان نے 1935ء میں..... اردن نے 1951ء میں شام نے 1953ء میں..... مراکش نے 1958ء میں..... عراق نے 1959ء میں اور پاکستان نے 1961ء میں نافذ کیا ملاحظہ ہو Muslim Law Reform از طاہر محمود۔

طاہر محمود صاحب لکھتے ہیں 1929ء میں ایک دوسرا قانون نمبر 25 منظور ہوا جس میں طلاق کے احکام میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ جسے علماء مصر نے منظور کیا۔ شرعی عدالتوں میں اب اسی قانون کے مطابق عمل ہو رہا ہے اور جامعہ ازہر کے کلیۃ الشریعہ کے درجہ تخصص القضاء میں داخل نصاب ہے۔ اس قانون کی دفعہ نمبر ۳ ہے ”الطلاق المقترن بعدد لفظاً وإشارة لا يقع الا واحدة“ (الدلیل المرشد فی القوانين والاوامر للمحاكم الشرعیہ ص ۳۸۳) انتہی

یعنی ایسی طلاق جو تعدد کے ساتھ لفظاً یا اشارۃ ملائی گئی ہو وہ صرف ایک واقع ہوتی ہے۔ کرم شاہ صاحب کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں ”اس نا چیز کی ناقص رائے میں تو ان حالات میں علماء مصر اور علماء جامع ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا رائج ہے۔“

کتاب وسنت کے مذکورہ بالا دلائل صحیحہ صریحہ اور حنفی جید علماء کی عبارات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں جس میں مرد دوران عدت رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو از سر نو نکاح کر کے دونوں اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔ حلالے جیسے یعنی عمل سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے کہ وہ اپنے گھروں کو صحیح طور پر کتاب وسنت کے مطابق ڈھال لیں اور ہر طرح کے دنگ و فساد لڑائی جھگڑوں اور تنازعات و اختلافات سے مکمل اجتناب کریں۔

مولانا کیلانی مرحوم نے اس مسئلہ میں شرح و بسط کے ساتھ تمام اعتراضات بارودہ کا بڑے محققانہ اور منصفانہ انداز میں جائزہ لیا ہے۔ اور مسئلے کا صحیح حل پیش کر دیا ہے ان کا انداز تحریر انتہائی سادہ اور دلائل سے بھرپور ہوتا ہے اور مخالفین کا رد بھی اس انداز سے کرتے ہیں کہ عقل و

شعور رکھنے والے افراد اودیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے یہ مضامین جو ماہنامہ محدث و حریم ”جہلم“ کی زینت بنے تھے ان کے لائق صد آفرین فرزندار جمند پروفسر نجیب الرحمن کیلانی حفظہ اللہ کی محنت شاقہ سے اب کتابی صورت میں طبع کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ ان کے لواحقین اور تمام قارئین کے لیے نجات کا وسیلہ و ذریعہ بنائے۔
(آمین)

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ

رئیس مرکز ام القریٰ۔ 266 جی بلاک سبزہ زار لاہور



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مؤلف

سہ ماہی مجلہ ”منہاج“ اشاعت اپریل ۱۹۸۷ء میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں میں نے پرویز صاحب اور جعفر شاہ صاحب پھلواری کے اس اعتراض کا جواب پیش کیا تھا کہ خلفائے راشدین بالعموم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بالخصوص اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق سنت رسول اللہ ﷺ میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ پھر ان حضرات نے نتیجہ یہ پیش فرمایا تھا کہ:

”اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق پچیس تیس سنت ہائے رسول اللہ ﷺ میں تبدیلیاں کر سکتے ہیں تو آخر ہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ایسی تبدیلیاں کیوں نہیں کر سکتے؟“

اس ضمن میں ایک مشہور مسئلہ ”تطبیق ثلاثہ“ بھی زیر بحث آیا، جسے میں نے اپنے مضمون کے آخر میں درج کیا تھا اور بتایا تھا کہ لے دے کے یہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں آپ ﷺ کا فیصلہ کتاب و سنت کی منشا کے خلاف تھا۔ اب ادارہ ”منہاج“ نے غالباً مسلک کا حنفی ہونے کی وجہ سے میرے مضمون کو جوں کا توں شائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور قاری عبدالحفیظ صاحب ریسرچ اسٹنٹ نے میرے دو صفحات کے اس آرٹیکل پر چودہ صفحات کے حواشی چڑھا کر اپنی طرف سے اسے بھرپور تردید کے ساتھ شائع فرما دیا۔ حالانکہ اگر ادارہ مذکور وسعت نظر سے کام لیتے ہوئے ان حواشی کے بغیر بھی اسے چھاپ دیتا تو بھی اس پر کچھ الزام نہ آ سکتا تھا، کیونکہ کوئی بھی ادارہ یہ الفاظ لکھنے کے بعد کہ ”ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں“ جواب دہی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اور

اگر جواب دینا ہی ضروری تھا، تو یہ جواب الگ سے شائع کر دیتا۔ بہر حال اب میرا یہ حق بنتا ہے کہ میں جواب الجواب لکھوں۔ اور اس لحاظ سے میں قاری صاحب کا ممنون بھی ہوں کہ ان کے ان حواشی کی وجہ سے مجھے دوبارہ اس مسئلہ کے مطالعہ کا موقع فراہم ہو گیا۔

قاری صاحب موصوف کے حواشی کا ماحصل میرے خیال میں مندرجہ ذیل چار باتوں پر مشتمل ہے:

- (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس کی تین طلاقوں کا بطور تین ہی نافذ کر دینے کا فیصلہ سیاسی نہیں بلکہ شرعی بنیادوں پر تھا۔
- (۲) یہ مسئلہ ایک آیت اور دو احادیث سے ثابت ہے۔
- (۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد امت کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔
- (۴) اس فیصلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ندامت والا قصہ بھی من گھڑت ہے۔

اعتماد:

ان باتوں کا جواب دینے سے پیشتر میں اپنی ایک غلطی (مساحت) کا اعتراف ضروری سمجھتا ہوں جس کی بنا پر میری عبارت میں سے صرف دو الفاظ کے چھوٹ جانے سے مفہوم میں نمایاں فرق پڑ گیا۔ شائع شدہ عبارت یوں ہے ”تاہم ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کچھ باک نہیں ہے کہ آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف تھا۔“ جب کہ میرے رف مسودہ میں اس فقرہ کے آخری الفاظ یوں تھے ”کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی منشاء کے خلاف تھا“ جب دوسری بار مسودہ صاف کر کے لکھا تو ”کی منشا“ کے الفاظ درج ہونے سے رہ گئے جس سے مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔ شائع شدہ فقرہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف بھی فیصلہ فرما سکتے تھے۔ جب کہ ”کی منشا“ کے الفاظ شامل کرنے کے بعد یہ مفہوم بنتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اجتہادی تھا، جس میں غلطی کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

یہ تو خیر جو ہوا سو ہوا، لیکن قاری صاحب موصوف نے اس ”مخالفت“ کی نسبت حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کی بجائے براہ راست حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات کی طرف کر کے مجھے آڑے ہاتھوں لیا کہ ”وہ (کیلائی صاحب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر برس پڑے اور بیک جنبش قلم انہیں مخالف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ بھی قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔“

”انا للہ وانا الیہ راجعون“ اللہ تعالیٰ ہم سب کی بھول چوک، لغزشوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے۔ آمین!

عبدالرحمن کیلائی



تطریق ثلاثہ

قاری عبدالحفیظ صاحب ریسرچ اسٹنٹ ادارہ ”منہاج“ کے تعاقب کے جواب میں

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاسی تھا یا شرعی؟

اس ضمن میں قاری صاحب موصوف نے جناب مولانا ابراہیم صاحب میر رحمہ اللہ سے لکھوٹی کا ایک اقتباس درج فرمایا ہے، جس میں مولانا ابراہیم صاحب رحمہ اللہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیک مجلس تین طلاق کو تین طلاق کے وقوع کے طور پر نافذ کرنے کا فیصلہ سیاسی نوعیت کا نہیں، بلکہ شرعی بنیادوں پر تھا۔ اتمام حجت کے طور پر قاری صاحب موصوف نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ مولانا ابراہیم صاحب موصوف غیر مقلد ہیں۔

اس اقتباس کے جواب میں اگر ہم کسی خفی مقلد عالم کا ایسا ہی اقتباس پیش کر دیں، جس میں یہ وضاحت موجود ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ شرعی نہیں بلکہ سیاسی اور تعزیری قسم کا تھا تو بات ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس ضمن میں پیر کرم شاہ صاحب ازہری (جو مسلک ابریلوی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے علاوہ رویت ہلال کمیٹی کے بھی رکن ہیں۔ مزید برآں ماہنامہ ”ضیائے حرم“ کے مدیر بھی ہیں) کا اقتباس ذیل پیش خدمت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر پیر کرم شاہ صاحب کا تبصرہ:

آپ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

”لیکن ایک خلیفان ابھی تک موجود ہے، جس کا ازالہ از حد اہم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب طلاق ثلاث ایک طلاق شمار کی جاتی تھی تو الناطق بالصدق والصواب الفارق بین الحق والباطل، حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس حکم کیوں دیا؟ تو اس

کے متعلق گزارش یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ لوگ طلاق ثلاث کی حرمت کو جانتے ہوئے اب اس کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ کی سیاست حکیمانہ نے ان کو اس امر حرام سے باز رکھنے کے لیے بطور رمزِ احرمت کا حکم صادر فرمایا۔ اور خلیفہ وقت کو اجازت ہے کہ جس وقت وہ یہ دیکھے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کی قدر نہیں کر رہے اور ان سے استفادہ کرنے سے رگ گئے ہیں تو بطور تعزیر انہیں ان رخصتوں اور سہولتوں سے محروم کر دے تاکہ وہ اس سے باز آجائیں..... حضرت امیر المومنین نے یہ حکم نافذ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”قَلُّوْا اَنَا اَمْضِيْنَاهُ عَلَيْهِمْ“ کاش! ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپ کی رائے تھی اور امت کو فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے یہ تعزیری قدم اٹھایا گیا تھا۔ اس تعزیری حکم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پسند فرمایا اور اس کے مطابق فتوے دیئے“ (مقالات علمیہ ص ۲۴۱، ۲۴۲)

جناب پیر کرم شاہ صاحب ازہری کے اقتباس سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) دور فاروقی سے پہلے دور نبوی ﷺ اور دور صدیقی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ دور نبوی ﷺ اور صدیقی کے تعامل کے برعکس تھا۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیاست حکیمانہ کا نتیجہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ بطور رمزِ اصدار فرمایا تھا۔

(۴) اس کے بعد ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسے تعزیری فتوے دینا شروع کر دیئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو سیاسی قرار دینے والے دیگر حضرات:

مناسب معلوم ہوتا ہے، یہاں ہم جناب ازہری صاحب کے علاوہ بھی چند بزرگان دین کی تحریریں اس سلسلہ میں نقل کر دیں، جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

(۱) ہمارے خیال میں سب سے پہلے بزرگ تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق ہیں جنہوں نے یہ حکم نافذ کرتے وقت یہ واضح فرمادیا تھا کہ یہ ان کا اپنا حکم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کرتے وقت ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا حدیث ہے۔ نہ ہی کسی قرآنی آیت سے آپ رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا، جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لیتے وقت استدلال فرمایا تھا۔ اب بتائیے کہ ہم اسے آپ رضی اللہ عنہ کا سیاسی اور تعزیری حکم نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟

آپ رضی اللہ عنہ کی اپنی شہادت کے بعد کسی دوسرے کی ضرورت تو نہیں رہ جاتی تاہم چند نام اور بھی پیش خدمت ہیں۔

(۲) مشہور خفی امام طحاویؒ اپنی تصنیف حاشیہ در مختار ج ۲ ص ۱۰۵ پر لکھتے ہیں:

”وانہ کان فی الصدر الاول اذا
ارسل ثلاثة جملة لم يحكم الا
بوقوع واحدة الى زمن عمر ثم
حكم بوقوع الثلاثة سياسياً لكثرة
بين الناس“ (بحوالہ مقالات علیہ ص ۲۳۲)

”پہلے زمانہ میں تا خلافت عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی
شخص اکٹھی تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی قرار
دی جاتی، پھر جب لوگ بکثرت ایسا کرنے
لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیاستاً تین طلاقوں
کے تین ہی واقع ہونے کا حکم نافذ کر دیا۔“

(۳) اور امام ابن قیم رحمہ اللہ تو آپ رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو ذرہ فاروقی سے تعبیر کرتے ہیں۔
آپ ”اعلام الموقعین“ میں فرماتے ہیں:

”جب لوگوں نے بے خوف ہو کر بکثرت اسے (یعنی ایک مجلس میں تین طلاق دینا)
شروع کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بحیثیت قانون یہ حکم فرمایا کہ میں آئندہ تین طلاقوں کو تین ہی
شمار کروں گا یہ صرف اس لیے تھا کہ لوگ ایک ساتھ تین طلاق دینے سے باز آجائیں۔ ورنہ
پھر تین سال تک یہ حکم شرعی کیوں جاری نہ کیا؟ پس یہ حکم شرعی نہیں بلکہ قانونی حیثیت رکھتا ہے
کہ لوگ ڈر جائیں..... یہ فتویٰ گویا ایک ذرہ فاروقی تھا جو ایسے لوگوں کو سزا کے لیے تھا نہ کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی حکم کو بدل دیا۔ نعوذ باللہ من ذلک“ (اعلام الموقعین اردو ص ۴۳)

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم شرعی نہیں بلکہ تعزیری تھا۔ اگر یہ حکم شرعی ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ کو اسے ابتدائے خلافت سے جاری فرمانا چاہیے تھا۔

(۲) آپ رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی حکم کو بدلائیں بلکہ یہ حکم ایسے خطا کار لوگوں کے لیے نافذ کیا جو بیک وقت تین طلاقیں دیتے تھے۔ رجوع کے سلسلہ میں شریعت نے جو رعایت دے رکھی تھی وہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے سلب کر لی۔ گویا یہ قانون وقتی تھا جو سزا کے طور پر نافذ کیا گیا تھا۔

اس کے بعد موجودہ دور کے چند ”بزرگان دین“ کے تبصرے اور تحریریں بھی ملاحظہ فرما لیجئے:

(۳) سب سے پہلے تو جناب پیر کرم شاہ صاحب ازہری مدیر ماہنامہ ”ضیائے حرم“ رکن اسلامی نظریاتی کونسل اور رکن رویت ہلال کمیٹی کا نام ہی پیش کرنا مناسب ہے، جن کا اقتباس اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ اس میں آپ نے برملا اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سیاسی نوعیت کا تھا اور سزا کے طور پر تھا۔

(۴) مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ جامعہ حنفیہ قاسمیہ لاہور اور صدر علمائے احناف پاکستان فرماتے ہیں۔

”حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیاستاً ایک مجلس کی تین طلاق کو تین تسلیم کر لیا تھا۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیاست تھی جس میں تبدیلی کا امکان ہے۔ چنانچہ اکثر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس معاملہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے اختلاف فرمایا ہے جو کتب احادیث میں مع دلائل موجود ہے“ (ایک مجلس کی تین طلاق علمائے احناف کی نظر میں ص ۱۵)

(۵) نومبر ۱۹۷۲ء میں احمد آباد (گجرات، کاٹھیاواڑ) میں تطلق ثلاثہ کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا، جس میں جناب مولانا شمس پیرزادہ امیر جماعت اسلامی نے ایک مقالہ پڑھا۔ اس مقالہ کے بعض مقامات کا جناب عامر عثمانی صاحب، مدیر ماہنامہ ”تجلی“ دیوبند نے تعاقب کیا۔ ان کا درج ذیل سوال و جواب ملاحظہ ہو:

عامر صاحب فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاکم وقت تھے نہ کہ قاضی۔ نیز یہ کہ ان کا

فیصلہ کسی عدالت میں بطور نظیر بھی پیش نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ عدالت میں عدالتی نظائر کام آتے ہیں حکام کے انتظامی یا سیاسی یا اصلاحی اقدامات کام نہیں آتے۔“

اس کے جواب میں جناب مولانا شمس پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں:

”سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فیصلہ کی حیثیت عدالتی نہیں، بلکہ سیاسی اقدام کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یکجائی تین طلاقوں کو نافذ کرنے کی جو علماء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس کا نفاذ محض تعزیراً کیا گیا تھا، ان کی یہ توجیہ کیوں غلط قرار دی جائے؟ مزید یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ عدالتی نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتوے، کہ ان کی حیثیت بھی عدالتی فیصلوں کی نہیں، حجت کس طرح بن سکتے ہیں؟“ (مقالات علمیہ ص ۲۱۶)

دیکھا آپ نے عام عثمانی صاحب بھی جو متعصب حنفی ہیں اور شمس پیرزادہ صاحب بھی دونوں آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو ”شرعی“ کے بجائے ”سیاسی اور تعزیری یا انتظامی اور اصلاحی“ قرار دے رہے ہیں۔

(۶) اسی سیمینار کے ایک اور مقابلہ نگار جناب حفیظ الرحمن صاحب قاسمی فاضل دیوبند فرماتے ہیں:

”اگر تین طلاق سے مراد ”انت طلق ثلاثاً“ ہے تو آخر دور نبوت اور دور صدیقی کے تعامل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس مصلحت سے بدلا؟ وہ کوئی شارع اور قانون ساز تو تھے نہیں، پھر قانون سازی بھی ایسے مسئلے میں کہ جس میں دور رسالت اور دور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تعامل موجود ہو۔ جب مسلم شریف کی روایت ابو الصہباء کے متعلق ہم کچھ عرض کرتے ہیں تو فوراً وہی اعتراض ہم سے کیا جاتا ہے..... اب آپ ہمیں واضح طور سے دو ٹوک انداز میں یہ بتائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے دور رسالت اور دور صدیقی کے تعامل کا بدلنا اس روایت سے بالکل واضح ہے آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ (مقالات علمیہ ص ۲۰۱)

فیصلہ کی شرعی حیثیت کی تعین میں اختلافات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو مشروع قرار دینے والے بالعموم وہی حضرات ہیں جو

کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیتے ہیں اور اس حد تک تو یہ سب حضرات متفق ہیں مگر اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کی تعیین میں پھر بہت سے اختلافات رونما ہوئے، مثلاً

(۱) کچھ حضرات تو تطلق ثلاثہ اور ان کے وقوع کو ایسے ہی سنت اور جائز سمجھتے ہیں جیسے کہ متفرق طور پر طلاق دینے کو، جیسا کہ خود قاری عبدالحفیظ صاحب نے رسالہ ”منہاج“ مذکور کے ص ۳۰۴ پر تحریر فرمایا ہے۔

اس توجیہ پر درج ذیل اعتراض وارد ہوتے ہیں:

- (۱) اگر بیک وقت تین طلاق دینا بھی سنت اور جائز ہے، تو علمائے احناف اور اسی طرح دوسرے تمام فقہاء اسے بدعی طلاق کیوں قرار دیتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چیز بیک وقت سنت بھی ہو اور بدعت بھی؟
- (ب) بیک وقت تین طلاق دینے والے کو تمام علماء و فقہاء گناہ کبیرہ کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ تب سوال یہ ہے کہ کسی سنت کے عامل یا کم از کم جائز کام کرنے والے کو گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے؟
- (ج) اگر ایک مجلس کی تین طلاق بھی سنت اور جائز ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کیا چیز نافذ فرمائی تھی۔ جو چیز پہلے ہی موجود اور نافذ ہو اسے نافذ فرمانے کا مطلب؟

(۲) دوسرا فریق اس مسئلہ کو سنت تو نہیں، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درست اجتہاد تسلیم کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آیت ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ“ کا ظاہری مفہوم اگرچہ وقفوں سے طلاق دینا ہی ہے تاہم یکبارگی تین طلاق دینے اور ان کے واقع ہونے کی بھی گنجائش موجود ہے۔ اس فریق کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر امت کا اجماع ہو گیا تھا، لہذا اب مزید اجتہاد و اختلاف کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

یہی وہ امور ہیں جن کا ہم آگے چل کر نہایت تفصیل سے جائزہ پیش کر رہے ہیں کہ ان حضرات کا یہ نظریہ اور یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

(۳) تیسرا گروہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو سیاسی، تعزیری اور وقتی سمجھتا ہے جسے آج کی

زبان میں آرڈیننس کہتے ہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کے تقاضا کے تحت ایک سر اٹھانے والی برائی کی روک تھام کیلئے ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت کو بطور تحریر چھین لیا تھا اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سلسلہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے تعاون کے طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو قبول کر لیا۔ جیسا کہ ابن رشد قرطبی اپنی کتاب ”بدایۃ المجتہد“ میں رقم طراز ہیں:

”وكان الجمهور غلبوا حكم التغليظ في الطلاق سدا للذريعة ولكن تبطل ذلك الرخصة الشريعة والرفق المقصود في قوله تعالى: لعل الله يحدث بعد ذلك امرا.“ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۶۶، مطبوعہ مصر، بحوالہ مقالات ص ۱۹۸)

یعنی جمہور نے سد ذریعہ کے طور پر تین طلاق کو مغلط مان لیا ہے۔ حالانکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت و شفقت اور رخصت ختم ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول ”لعل الله يحدث بعد ذلك امرا“ میں ”بدایۃ المجتہد“ میں ہے۔

اس طبقہ کے کچھ وسیع النظر علماء اپنے سابقہ موقف میں زمانہ کے تقاضوں کے تحت چلک پیدا کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴) چوتھا گروہ وہ ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کو (اگر یہ اجتہاد تھا تو) درست نہیں سمجھتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے جب صحیح روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ دور نبوی، صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں تک کا تعامل امت یہی رہا کہ تین طلاق کو تین نہیں بلکہ ایک ہی شمار کیا جاتا تھا تو پھر کسی آیت یا روایت سے بیک مجلس کی تین طلاق کے تین ہی واقع ہونے کے معنی نکالنا درست نہیں۔

اس گروہ میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو تطلیق ثلاثہ میں تین کے وقوع کے قائل نہیں۔ یہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو اجتہادی غلطی قرار دینے کے بجائے یہ کہنا بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سیاسی اور تعزیری تھا۔ یہ گروہ دور فاروقی سے لے کر آج تک بلا انقطاع

زمانہ موجود چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور کے ایک نامور مؤلف محمد حسین ہیکل نے اپنی تالیف ”الفاروق عمر رضی اللہ عنہ“ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے نص میں اجتہاد کیا تھا جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ نص قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہو اور شوہر کے لیے دو دفعہ رجوع کا موقع باقی رہے کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تین طلاقیں ہیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ایک فعل ہے جسے واقع ہونا ہے۔ نہ کہ قول جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔“ (مقالات ص ۶۵)

(۵) اور پانچواں گروہ وہ ہے جو تطلق ثلاثہ کے قائلین اور مخالفین دونوں کو درست قرار دیتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ مصر کی مطبوعہ کتاب ”کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ“ کے مصنف عبدالرحمن الجزیری رقم طراز ہیں کہ:

ترجمہ: لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پر (یعنی تطلق ثلاثہ کے وقوع پر) اجماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شبہ مجتہدین میں سے تھے جن پر دین کے معاملہ میں پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے لہذا آپ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کی رائے کے معاملہ میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد ہی تھے۔ رہا اکثریت کا آپ رضی اللہ عنہ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو جبکہ لوگ خلاف سنت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے۔ کیونکہ سنت یہی ہے کہ مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ اور جو شخص سنت کے خلاف کرتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔ مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظ واحد ایک واقع ہوتی ہے انہیں ان کا تین کہنا معقولیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ عہد رسالت دور صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اجتہاد کیا اس کی دوسروں نے مخالفت

کی۔ لہذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست ہے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فردعی اعمال میں کرید کر لیتی صورت معلوم کرنے کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔“

(کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ص ۲۳۳-۲۳۴ بحوالہ مقالات ص ۶۶)



قرآنی آیت سے قاری عبدالحفیظ کا استدلال

”فائے تعقیب“ اور ”ثم“ کی بحث:

قاری صاحب موصوف فرماتے ہیں:

”جمہور اپنے اس دعویٰ میں (یعنی ایک مجلس کی تین طلاق کے وقوع میں) قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ اس سے متصل پہلی آیت سے اللہ تعالیٰ نے دو طلاقیں کا ذکر کیا ہے ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ“ اس کے فوراً بعد ”فَإِنْ طَلَّقَهَا“ والی آیت ہے۔ یعنی طلاقیں تو دو ہی ہیں، کن اگر کسی شخص نے دو طلاقیں دینے کے فوراً بعد نادانی کی بنا پر تیسری طلاق بھی دے دی تو پھر اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی جب تک کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حرف فا کو استعمال کیا ہے جو کہ تعقیب مع الوصل کے لیے آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو طلاقیں دینے کے فوراً بعد اسی مجلس میں تیسری بھی دے دی تو تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور اب اس کے لیے بیوی حلال نہیں۔ یہاں پر اگر حرف ”ثم“ ہوتا جو مہلت اور تراخی کے لیے آتا ہے پھر معنی یہ بنتے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق۔ اس صورت میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتیں مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔“ (منہاج مذکور ص ۳۰۲)

مندرجہ بالا اقتباس میں قاری صاحب موصوف کی دلیل کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ حرف ”فاء“ ”تعقیب مع الوصل“ کیلئے ہی آتا ہے۔ درج ذیل آیات پر غور فرما کر بتائیے کہ یہاں ”فاء“ کا حرف ”تعقیب مع الوصل“ کیلئے ہی استعمال ہوا ہے؟

(۱) ”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ . الْآيَةُ“

(ال عمران: ۳۱)

(۲) ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ . فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ (الم نشر: ۵۳)

(۳) ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ“

(البقرہ: ۸۹)

قاری صاحب کے بیان میں حقیقت صرف اتنی ہے کہ حرف ”فاء“ کے چھ مختلف استعمالات میں سے ایک استعمال بطور ”تعقیب مع الوصل“ بھی ہے اور وہ چھ استعمال یہ ہیں:

(۱) ترتیب (۲) تعقیب مع الوصل (۳) سبب (۴) شرط (۵) رابطہ (۶) زائدہ۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں حرف ”فاء“ تعقیب مع الوصل کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے یا کسی اور غرض کے لیے؟ اس مقصد کے لیے ہم اس سے پہلی آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی طرف قاری صاحب نے بھی توجہ دلائی ہے اور وہ آیت یوں ہے۔

الطَّلَاقِ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ طلاق دوبار ہے۔ پھر یا تو ان کو شائستہ طور
اَوْ تَسْرِيْعٍ بِاِحْسَانٍ پر اپنے نکاح میں رکھا جائے یا بھلائی کے
ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ پھر اگر خاوند (بیوی کو) تیسری بار طلاق
حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ . الْآيَةُ دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت
کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے پہلے
(البقرہ: ۲۲۹-۲۳۰)

خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

اس وضاحت کے بعد خلع کے احکام ذکر ہوئے ہیں۔

اب دیکھئے آیت مذکورہ میں ”فَامْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ“ کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تین تو درکنار دو طلاقیں بھی بیک وقت دینا اس آیت کے مفہوم کے صریح خلاف ہے ”فَامْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ“ کا تعلق پہلی طلاق کے بعد بھی ہے اور دوسری کے بعد بھی۔ اندریں صورت جو تیسری طلاق کے وقت لفظ ”فَاء“ استعمال ہوا ہے وہ تعقیب مع الوصل کے لیے کیونکر ہو سکتا ہے؟ بالخصوص اس صورت میں کہ درمیان میں خلع کے احکام بھی بیان کیے جا رہے ہیں؟ لہذا ہمارے خیال میں اگر ”فَاء“ کو ”تعقیب مع الوصل“ کے لیے قرار دینا ہی ہے تو کیوں نہ ”فَامْسَاكُ“ کی ”فَاء“ کو ایسا قرار دیا جائے جو ”الطَّلَاقِ مَرَّتَيْنِ“ کے ساتھ ہی واقع ہے۔ اتنی دور جا کر ”فَيَا تَلَّقَهَا“ کی ”فَاء“ کو ”تعقیب مع الوصل“ قرار دینے کی کوئی تک نظر نہیں آتی۔

قاری صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ”اگر ”فَاء“ کی بجائے ”ثَم“ کا لفظ آتا تو پھر یہ معنی بنتے کہ ایک طہر میں ایک طلاق، دوسرے میں دوسری اور تیسرے میں تیسری طلاق۔ اس صورت میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتیں۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔“ (منہاج ص ۳۰۳)

گویا قاری صاحب موصوف کے نزدیک قرآن کی آیت کے مطابق طلاق دینے کی یہ شکل بالکل درست ہے کہ یک لخت تین طلاقیں دے کر انہیں تین ہی شمار کر لیا جائے۔ کیونکہ حرف ”فَاء“ کا یہی تقاضا ہے، اور یہ جو طلاق دینے کا شرعی طریقہ مشہور ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے دوسرے میں دوسری، تیسرے میں تیسری۔ تو طلاق کی یہ شکل قرآن کی آیت کی رو سے درست نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت تو ”ثَم“ کے لفظ کا تقاضا تھا جو یہاں استعمال نہیں ہوا۔ اب ہم یہ بتائیں گے کہ قاری صاحب اپنی بات کی سچ میں آ کر اپنے ہی مسلک کے خلاف کیا کچھ باتیں فرما گئے ہیں؟ اس کیلئے ہمیں طلاق کی مختلف شکلوں پر نگاہ ڈالنا ہوگی۔

طلاق کی مختلف شکلیں اور ان کے احکام:

طلاق کی مختلف صورتوں کی وضاحت کے لیے چونکہ عدت کا تعین ضروری ہے لہذا پہلے

عدت کے مسائل و احکام کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اور وہ درج ذیل ہیں:

عدت کے مسائل و احکام:

- (۱) بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (البقرہ: ۲۳۴)
- (۲) بیوہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ سببہ اسلامیہ کے ہاں خاوند کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد (مختلف روایات میں یہ مدت ۲۰ دن سے ۴۰ دن تک ہے) بچہ پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اگلے نکاح کی اجازت دے دی۔
(بخاری، کتاب الطلاق)
- (۳) غیر مدخولہ عورت خواہ وہ بیوہ ہو یا مطلقہ اس کی کوئی عدت نہیں۔ (الاحزاب: ۴۹)^(۱)
- (۴) بے حیض عورت، خواہ ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو یا بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے آنا بند ہو چکا ہو کی عدت تین ماہ قمری ہے۔ (الطلاق: ۴)
- (۵) مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ (ایضاً)
- (۶) حیض والی غیر حاملہ کی عدت تین قمری ہے۔ (البقرہ: ۲۳۸) قرء بمعنی حیض بھی اور طہر بھی۔

احناف اس سے تین حیض مراد لیتے ہیں۔ جب کہ شوافع اور مالکیہ تین طہر مراد لیتے ہیں۔ اس فرق کو درج ذیل مثال سے سمجھیے کہ:

طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عورت جب حیض سے فارغ ہو تو اسے طہر کے شروع میں ہی بغیر مقاربت کیے طلاق دی جائے اور پوری مدت گزر جانے دی جائے عدت کے بعد عورت بائن ہو جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ ایک عورت ہندہ نامی کو ہر قمری مہینہ کی ابتدائی تین دن ماہواری آتی ہے اس کے خاوند نے اسے حیض سے فراغت کے بعد ۴ محرم کو طلاق دے دی۔ تو احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض یعنی ۳ ربیع الآخر کی شام جب وہ حیض سے فارغ ہو جائے گی تو اس کی عدت ختم ہوگی۔ جب کہ شوافع اور مالکیہ کے

(۱) ”اس عورت کا اگر مہر مقرر ہوا ہو تو نصف مہر خاوند کو ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر حق مہر مقرر نہ ہوا ہو تو حسب استطاعت کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہئے“ (۲/۲۳۶، ۲۳۷)

نزدیک تیسرا حیض شروع ہونے تک اس کے تین طہر پورے ہو چکے ہوں گے۔ یعنی یکم ربیع الآخر کی صبح حیض شروع ہونے پر اس کی عدت ختم ہوگی۔

عدت کا مقصد:

عدت کا ٹھیک ٹھیک شمار کرنے پر قرآن کریم نے خاصا زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ
الْأَيَّة. (الطلاق: ۱)

اے نبی ﷺ! مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لیے طلاق دو اور اس عدت کی مدت کو گنتے رہو۔

عدت کا شمار اس لیے اہم ہے کہ اس دوران عورت سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اسے واضح الفاظ میں مگنی کا پیغام بھی نہیں دیا جاسکتا۔

کوئی عورت عدت کے اندر نکاح کرے تو وہ نکاح باطل ہوگا:

عدت کا مقصد تحفظ نسب اور میراث کے تنازعات کو ختم کرنا ہے۔ عدت کے اندر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جس عورت کو صحبت سے پہلے ہی طلاق ہو جائے اس کی کچھ عدت نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ نسب کے اختلاف کا کوئی امکان ہے نہ وراثت کے تنازعہ کا۔

خاوند کا حق رجوع:

عدت کا عرصہ عورت کو اپنے خاوند کے ہاں گزارنے کا حکم ہے۔ کیونکہ اس دوران وہ خاوند کی زوجیت میں ہوتی ہے۔ عدت کے دوران خاوند کسی وقت بھی رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس رجوع میں وہ اپنی عورت کی مرضی کا پابند نہیں ہے۔ نکاح کے وقت عورت کی رضا مندی ضروری ہے، مگر رجوع کے لیے عورت کی رضا مندی ضروری نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ
الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ
أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ
عِدَّةٍ: الْآيَةِ - (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے
نکاح کر کے انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے
طلاق دے دو تو ان عورتوں پر تمہارے
لیے کچھ عدت نہیں جسے تم پوری کراؤ۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورتوں کا عدت گزارنا دراصل مردوں کے
حقوق کی نگہداشت کے لیے ہوتا ہے تاکہ

(۱) اگر وہ چاہیں تو عدت کے دوران کسی وقت بھی رجوع کر سکیں۔

(۲) ان کے نسب میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہ رہے۔

(۳) وراثت کے مسائل میں الجھاؤ پیدا نہ ہو۔

لہذا عدت کے دوران مطلقہ عورت کا سکنتی اور نفقہ طلاق دہندہ پر اور وفات کی صورت
میں مرد کے لواحقین پر لازم قرار دیا گیا۔

طلاق کی شرائط:

اس سلسلہ میں بخاری کی درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه طلق امراته
وهي حائض، على عهد رسول الله
ﷺ فقال رسول الله ﷺ مره
فليراجعها ثم يمسكها حتى تطهر
ثم تحيض ثم تطهر له ان شاء
امسك بعد وان شاء طلق قبل
ان يمس فذلك العدة التي
امر الله ان تطلق لها النساء.
(بخاری، کتاب الطلاق)

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنی
بیوی (آمنہ بنت غفار) کو حالت حیض میں
طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ
ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا
”عبداللہ کو حکم دو کہ رجوع کر لے اور حیض
سے پاک ہونے تک اپنے پاس رہنے
دے۔ پھر اس کو حیض آنے دے پھر جب
حیض سے پاک ہو تو اب چاہے تو اپنے
پاس رکھے اور چاہے تو صحبت سے پہلے

اسے طلاق دے دے۔ اور یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا کہ عورتوں کو ان کی عدت کے لیے طلاق دو۔

اس حدیث سے درج ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

(۱) حیض کی حالت میں طلاق دینے پر آپ ﷺ نے رجوع کا حکم فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا خلاف سنت اور حرام ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حیض کی حالت میں طلاق دینا خلاف سنت اور حرام ہے، تاہم طلاق واقع ہو جاتی ہے ورنہ رجوع کے حکم کا کچھ مطلب نہیں نکلتا! ^(۱)

(۲) طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہئے ^(۲) جس میں صحبت نہ کی گئی ہو ^(۳) اور بہتر یہی ہے کہ طہر کے ابتدا ہی میں طلاق دی جائے۔

(۳) آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو طلاق کا جو طریقہ بتایا، وہ یہی ہے کہ صرف ایک طلاق ہی دے کر عدت گزرنے دی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”طَلَقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ“ کا یہی مطلب ہے۔

اب فرض کیجئے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اہلیہ یکم محرم سے تین محرم تک حائضہ رہتی تھیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو محرم کو طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہلیہ کو اپنے پاس روک رکھیں اور رجوع کریں۔ یہ رجوع ۴ محرم سے آخر محرم تک والے طہر میں ہی ممکن تھا۔ اور رجوع کی وجہ سے اس طہر میں طلاق نہیں دی جا

(۱) ”اسی طرح فقہاء یہ قیاس فرماتے ہیں کہ اگرچہ بیک مجلس تین طلاق دینی خلاف سنت اور حرام ہے، تاہم تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ قیاس کی حد تک تو ان کی بات درست معلوم ہوتی ہے، مگر اس نص کی موجودگی میں دور نبوی اور صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں تک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، اس قیاس کی چنداں وقعت باقی نہیں رہتی۔

(۲) ”غیر بدخولہ عورت کو طہر اور حیض دونوں حالتوں میں طلاق دی جاسکتی ہے“

(۳) ”بے حیض عورت کو مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح حاملہ عورت کو بھی مباشرت کے بعد طلاق دی جاسکتی ہے، کیونکہ ان تینوں صورتوں میں عدت کا کوئی مقصد بحد رجوع یا مشکوک نہیں ہوتا“

سکتی تھی۔ اب دوسری طلاق کا موقعہ ۴ صفر کو حیض کے بعد اور مقاربت سے پہلے ہی ممکن تھا۔ ۴ صفر کو دی ہوئی رجعی طلاق کی عدت تین قروء گزرنے کے بعد ہی ایک طلاق بائن ہو جاتی ہے۔ طلاق کا مسنون طریقہ یہی ہے اور اس طریقے کے دو فائدے ہیں۔ پہلا یہ کہ عدت کے آخری وقت تک رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر بعد میں بھی فریقین رضامند ہوں تو تجدید نکاح کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

احناف کے ہاں طلاق کی اقسام:

احناف کے ہاں طلاق کی تین اقسام ہیں:

(۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی (ہدایہ اولین کتاب الطلاق باب طلاق النہ)

(۱) احسن:

احسن یہ صورت ہے جسے ہم پہلے طلاق کی صحیح اور مسنون صورت کے تحت درج کر چکے ہیں۔ یعنی ایک ہی طلاق دے کر عدت گزر جانے دینا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طریق طلاق کو پسند فرماتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ بحوالہ تفسیر القرآن ج ۵ ص ۵۵)

(۲) حسن:

طلاق حسن یہ ہے کہ ہر طہر میں مقاربت کیے بغیر ایک طلاق دے۔ یعنی ایک طہر میں پہلی دوسری میں دوسری اور تیسری میں تیسری اس صورت میں۔ (۱) رجوع کا حق صرف پہلے دو طہروں میں رہتا ہے، تیسری طلاق دیتے ہی حق رجوع باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ عدت ابھی تقریباً ایک ماہ باقی رہتی ہے۔ (۲) آئندہ جب تک عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، پھر وہ دوسرا خاوند یا تو مرنے جائے یا اپنی مرضی سے بغیر کسی سازش یا دباؤ کے طلاق دے دے زوجین کے باہمی نکاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

اس قسم کی طلاق کو عموماً شرعی طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پیر کرم شاہ صاحب ازہری نے

فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق ہر طہر میں دی جائے۔ ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الخ۔“ (مقالات ص ۲۹۹)

ہم حیران ہیں کہ جو طریقہ خود اللہ تعالیٰ بتائیں وہ تو حسن ہو اور احسن طریق اس کی بجائے کچھ اور ہو یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم جو غالباً حنفی ہونے کے ناطے سے ایک مجلس کی تین طلاق ہی واقع ہونے کے شدت سے قائل نظر آتے ہیں، انہوں نے بھی اس طریق طلاق پر یہ تبصرہ فرمایا کہ:

”اس صورت میں تین طہروں میں تین طلاق دینا بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔“

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵۷)

”اور مالکیہ ایسی طلاق کو بدعی مکروہ کا نام دیتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن: ایضاً)

میری معلومات کے مطابق تین طہروں میں تین طلاقیں پوری کرنے کا طریقہ طلاق کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ ابوداؤد میں جو حدیث رکانہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ ذکر ضرور آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ رائے رکھتے تھے کہ تین طہروں میں طلاقیں دی جائیں۔ اس حدیث کے راوی بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں جو فرماتے ہیں کہ رکانہ رضی اللہ عنہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا ”طلاق کیسے دی“ انہوں نے کہا ”تینوں طلاقیں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”ایک ہی مجلس میں؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تو یہ ایک ہی ہوئی، اگر چاہو تو رجوع کر لو“ اسی حدیث کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ رائے مذکور ہے۔ (حدیث آگے تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے گی)

(۳) بدعی طلاق:

بدعی یہ ہے کہ کوئی شخص (۱) بیک وقت تین طلاق دے دے (۲) یا ایک طہر کے اندر

الگ الگ اوقات میں تین طلاق دے یا (۳) حالت حیض میں دے یا (۴) ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ مباشرت کر چکا ہو۔ ان میں سے جو فعل بھی کرے گا، گنہگار ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں طلاق کی اقسام:

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) طلاق السنۃ (۲) بدعی مکروہ (۳) بدعی حرام

(۱) جس طریق طلاق کو احناف ”احسن“ کا نام دیتے ہیں مالکیہ اسی کو ”طلاق السنۃ“ کہتے ہیں۔

(۲) بدعی مکروہ کی شکلیں یہ ہیں۔

(۱) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کر چکا ہو۔

(۲) ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دے۔

(۳) عدت کے اندر الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ یعنی وہ طلاق جسے احناف حسن کا نام دیتے ہیں

(۴) بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں۔

(۳) بدعی حرام یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دی جائے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ کے ہاں طلاق کا صحیح طریقہ وہی ہے جسے احناف احسن کہتے ہیں اور مالکیہ طلاق السنۃ، باقی سب شکلیں بدعت اور حرام ہیں۔ ان کے ہاں بھی تین طہروں میں تین طلاق دینا بدعت اور حرام ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵۸)

امام شافعی رحمہ اللہ:

(۱) تین طہر میں تین طلاق (۲) ایک طہر میں تین طلاق یا (۳) بیک وقت تین طلاق۔ آپ رحمہ اللہ ان میں سے کسی کو بھی خلاف سنت نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں غلط صورتیں یہ

ہیں (۱) حیض کی حالت میں طلاق دینا اور (۲) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کر چکا ہو۔

قاری صاحب کے نزدیک طلاق کی صورت:

عدت و طلاق کے ان احکام و مسائل کی تفصیل کے بعد اب ہم قاری عبدالحفیظ صاحب سے مخاطب ہوتے ہیں جن کے نزدیک:

(۱) قرآن مجید میں ”الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ..... فَإِنْ طَلَّقَهَا“ سے طلاق کی وہ قسم ثابت ہوتی ہے جس کو احناف کے علاوہ مالکیہ اور حنابلہ بھی بدعی طلاق سمجھتے ہیں۔

(۲) اگر ”ف“ کی بجائے ”ثم“ ہوتا تو طلاق کی وہ قسم ثابت ہوتی جسے احناف تو ”حسن“ کہتے ہیں اور مولک ”بدعی مکروہ“۔

(۳) اور حسن طلاق کا قرآن میں اشارہ تک نہیں ملتا، یہ وہ طریقہ ہے جسے احناف تو ”احسن“ کہتے ہیں اور باقی ائمہ بھی اسے سنت کے مطابق طلاق سمجھتے ہیں۔

یک بارگی تین طلاقیں کی کراہت و حرمت کے قرآنی دلائل:

اگرچہ یہ بات متنازعہ فیہ نہیں ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دے دینا بدعتِ حرام اور کارِ معصیت ہے۔ تاہم اس مسئلہ کو کتاب و سنت سے واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ ہمارے علمائے احناف بجائے اس کے کہ اس کارِ معصیت کی حوصلہ شکنی کریں، یکبارگی تین طلاقیں کے وقوع کو ثابت کرنے کے شوق میں اس کی بھرپور حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ لہذا ہم یہاں ایسے دلائل پیش کریں گے جن سے یہ ثابت ہو کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقیں کا موقع بن جائے تو بھی طلاقیں متفرق طور پر ہی دینا چاہئیں اور ان کے درمیان وقفہ انتہائی ضروری ہے۔

(پہلی دلیل) طلاقیں کے درمیان وقفہ:

”الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ“ اور اس کے فوراً بعد ”فَامْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ

بِإِحْسَان“ کے الفاظ اس بات کی بین دلیل ہیں کہ طلاقیں متفرق طور پر ہوں اور ان کے درمیان وقفہ بھی ضروری ہے۔

مقام حیرت ہے کہ علمائے احناف کو جب شوافع کی مخالفت مقصود ہوتی ہے (جو بیک وقت تین طلاق کو سنت کے خلاف نہیں سمجھتے) تو یہ حضرات تین طلاقیں میں وقفہ کو قرآن کی صراحت کے مطابق ضروری ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں اور یکبارگی تین طلاق کو حرام اور کار معصیت قرار دیتے ہیں۔ مگر جب ان کے وقوع کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو ”فداء تعقیب“ اور ”ثم“ کے استعمال کا فرق بتا کر بیک وقت تین طلاق کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے جاتے ہیں۔ بہر حال جن نامور علمائے احناف نے طلاقیں کے درمیان وقفہ کو ضروری قرار دیا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

- (۱) ابو بکر حصص (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۰) زیر آیت ”الطلاق مرتین“ بحوالہ مقالات ص ۱۰۷
- (۲) زنجشیری (تفسیر کشاف زیر آیت مذکور)
- (۳) شیخ محمد تھانوی استاد مولانا اشرف علی تھانوی (حاشیہ ناسخ ج ۲ ص ۲۹ بحوالہ مقالات ص ۱۸۸)
- (۴) مولانا سندھی (حوالہ ایضاً)
- (۵) ابوالبرکات عبد اللہ احمد سلفی (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۱۷۷) بحوالہ مقالات ص ۸۸
- (۶) مولانا عبد الحق صاحب (ایضاً)
- (۷) مولانا علامہ انور صاحب کاشمیری (فیض الباری ج ۳ ص ۳۸)
- (۸) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری زیر آیت مذکور)

(دوسری دلیل) آیت مذکورہ کا شان نزول:

اگر ہم آیت محولہ بالا کے پس منظر یا شان نزول پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں طلاق کی تعداد کا کچھ شمار ہی نہ تھا اور ہر طلاق کے بعد مرد کو عدت کے دوران رجوع کا حق حاصل تھا۔ اس طرح مرد حضرات مظلوم عورت کو خاصا پریشان اور تنگ کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مردوں کے حق رجوع کو دو تک محدود کر دیا تاہم بالکل ختم نہیں کیا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ طلاقیں کے درمیان وقفہ ہو۔ شان

نزول سے متعلق درج ذیل دو احادیث ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ترجمہ: ”عروہ بن زبیر کہتے ہیں پہلے یہ دستور تھا کہ مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا، جب عدت پوری ہونے لگتی رجعت کر لیتا۔ وہ ایسا ہی کرتا اگرچہ ہزار مرتبہ طلاق دے۔ ایک شخص نے اپنی عورت کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ اس کو طلاق دی جب عدت گزرنے لگی تو رجعت کر لی۔ پھر طلاق دے دی اور کہا ”خدا کی قسم! نہ تو میں تجھے اپنے ہاں جگہ دوں گا اور ہی کسی سے ملنے دوں گا“ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ طلاق (رجعی صرف) دوبارہ ہے۔ پھر یا تو پہلے طہر پر اسے اپنے ہاں رکھو یا پھر اسے اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔ اس دن سے لوگوں نے از سر نو طلاق شروع کی۔ جنہوں نے طلاق دی تھی انہوں نے بھی اور جنہوں نے نہ دی تھی انہوں نے بھی۔“

(۲) ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرد جتنی بھی طلاقیں چاہتا اپنی عورت کو دیے جاتا اور عدت کے اندر پھر رجوع کر لیتا، اگرچہ وہ مرد سو بار یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک (انصاری) مرد نے اپنی بیوی سے کہا ”اللہ کی قسم! میں نہ تو تجھے طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو سکے اور نہ ہی تجھے بساؤں گا۔“ اس عورت نے پوچھا ”وہ کیسے؟“ کہنے لگا ”میں تجھے طلاق دوں گا، جب تیری عدت گزرنے کے قریب ہو گی تو رجوع کر لوں گا“ وہ عورت یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور اپنا دکھڑا سنایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو یہ ماجرا بتایا تو آپ ﷺ بھی خاموش رہے حتیٰ کہ قرآن نازل ہوا طلاق صرف دوبارہ ہے۔ پھر یا تو ان مطلقہ عورتوں کو ٹھیک طور پر اپنے پاس رکھو یا پھر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن سے لوگوں نے نئے سرے سے طلاق شروع کی۔ جس نے طلاق دی تھی اس نے بھی اور جس نے نہ دی تھی اس نے بھی۔“

تیسری دلیل:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبَنَ أَجَلَهُنَّ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ عِدَّتِ كُوفٍ جَائِزٌ تَوَافِقُ أَهْلَهُنَّ
أَزْوَاجَهُنَّ . الْآيَةُ . (البقرہ: ۲۳۲) سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عِدَّتِ گزرنے کے بعد بھی اپنے پہلے خاوند سے نئے نکاح کے جواز کی صورت پیش فرمائی ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی نہ دی گئی ہوں۔ یعنی تیسری آخری طلاق سے پہلے ایک یا دو رجعی طلاق کے بعد، یا پھر اس صورت میں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک ہی شمار کیا گیا ہو۔

چوتھی دلیل:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ
فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ . (البقرہ: ۲۳۱)
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور اس کی عِدَّتِ پوری ہونے لگے تو یا تو انہیں بھلائی کے ساتھ اپنے پاس رکھو یا شائستہ طور پر رخصت کر دو۔

اس آیت سے بھی یک مجلسی تین طلاق دینا، پھر انہیں تین ہی شمار کر لینا منشاء الہی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ
وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ
مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ
يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ وَتِلْكَ
حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ
يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا . (الطلاق: ۱)

’اے نبی ﷺ (مسلمانوں سے کہہ دیجئے)
جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی
عِدَّتِ کے لیے طلاق دو اور عِدَّتِ کا شمار
کرتے رہو تجھے کیا
معلوم شاید اللہ اس کے بعد (بہتری یعنی
رجوع کی) سبیل پیدا کر دے۔

اب دیکھئے اگر عورت کو ایک دفعہ تین طلاق دے کر پھر انہیں تین ہی شمار کر لیا جائے تو بہتری یا رجوع کا کوئی موقع باقی رہ جاتا ہے؟ ”لَعَلَّ اللّٰهُ يُخْدِثَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا“ کے الفاظ اس بات کے متقاضی ہیں کہ اگر طلاق دی جائے تو رجعی ہی ہونی چاہئے۔ عدت کا شمار بھی اسی لحاظ سے سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

چھٹی دلیل:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاُمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی میعاد (یعنی
انقضائے عدت) کو پہنچ جائیں تو انہیں یا تو
ٹھیک طرح اپنی زوجیت میں رکھو یا اچھی
الایۃ: (الطلاق: ۲) طرح سے علیحدہ کر دو۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کے بعد مرد کے حق رجوع کو بحال رکھا ہے اور دور جاہلیت کے لامحدود حق رجوع کو دوبار تک محدود کر دیا ہے۔ کتاب و سنت میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جو مرد کے اس حق رجوع کو ساقط قرار دیتی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصے میں آ کر یا حماقت کی وجہ سے اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھے تو اولاً یہ حق رجوع کہاں باقی رہا؟ ثانیاً یہ دیکھنا ہے کہ تب اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں احادیث سے پوری رہنمائی مل جاتی ہے۔



ایسی احادیث جو ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک واقع ہونے پر نص قطعی ہیں

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک ایسا تھا کہ جب کوئی ایک بارگی تین طلاق دیتا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ”لوگوں نے اس کام میں جلدی کرنا شروع کی، جس میں انہیں مہلت ملی تھی۔ سو اس کو اگر ہم نافذ کر دیں تو مناسب ہے،“ پھر انہوں نے اسے جاری کر دیا۔ یعنی قانون نافذ کر دیا کہ یکبارگی کی تین طلاق فی الواقع تین ہی شمار ہوں گی۔

(۲) ابو الصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا ”کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت میں بھی تین سال تک تین طلاقیں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟“ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہاں“

(۳) ابو الصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا ”ایک مسئلہ تو بتائیے۔ کیا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہی شمار نہ ہوتی تھیں؟“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، ”ہاں ایسا ہی تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ اکٹھی طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لوگوں پر نافذ کر دیا“

اگرچہ یہ تین الگ الگ احادیث ہیں، مگر مضمون تقریباً ایک ہی جیسا ہے۔ صحیح مسلم کی ان احادیث سے درج ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

(۱) دور نبوی ﷺ، دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں تک بھی لوگ

یکبارگی تین طلاق دینے کی بری عادت میں مبتلا تھے اور یہ عادت دور جاہلیت سے متواتر چلی آرہی تھی، جو دور نبوی ﷺ میں بھی ختم نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ دور نبوی ﷺ میں ایک شخص نے یکبارگی تین طلاقیں دیں تو آپ ﷺ غصہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”میری زندگی میں ہی کتاب اللہ سے یوں کھیلا جا رہا ہے؟“

(۲) لوگوں کی اس بد عادت پر انہیں زجر و توبخ تو کی جاتی تھی، کیونکہ یہ طریق طلاق کتاب و سنت کے خلاف تھا۔ تاہم ۱۵ھ تک عملاً یکبارگی تین طلاق کو ایک ہی قرار دیا جاتا تھا اور اس معصیت اور حماقت کے باوجود ان سے حق رجوع کو سلب نہیں کیا جاتا تھا۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ”فلو امضیناہ علیہم“ اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کا فیصلہ تعزیر و تادیب کے لیے تھا، تاکہ لوگ اس بری عادت سے باز آجائیں۔ اور اس لحاظ سے کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ سرکاری اعلان کے ذریعہ نافذ کیا تھا، اس کی نوعیت سیاسی بن جاتی ہے۔ گویا یہ ایک وقتی اور عارضی قسم کا آرڈیننس تھا۔

(۴) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی شرعی بنیاد موجود ہوتی تو آپ ﷺ یقیناً استنباط کر کے لوگوں کو مطلع فرماتے۔ جیسا کہ عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لیتے وقت آپ ﷺ نے کیا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے استنباط کو درست تسلیم کر کے اس سے پورا پورا اتفاق کر لیا تھا۔ چنانچہ اگر آپ ﷺ کسی آیت یا حدیث سے استنباط کر کے لوگوں کو مطلع کر کے یہ فیصلہ نافذ کرتے، تو پھر واقعی اس فیصلہ کی شرعی اور دائمی حیثیت بن سکتی تھی۔

صحیح مسلم کی مندرجہ بالا احادیث کے رجال چونکہ نہایت ثقہ ہیں، اس لیے ”تطبیق حلاۃ“ کے قائلین ان احادیث کو ضعیف یا مجروح کہنے کی جرأت تو نہ کر سکے۔ البتہ ان احادیث کو اور بالخصوص ابن عباس رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث کو بے اثر بنانے اور اس کی افادیت کو ختم کرنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں اور بہت سے اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، جنہیں جوابات کا نام دیا جاتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ صحیح مسلم کی ایسی معتبر احادیث کی تاویلات ان حضرات کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، جو اپنے موقف کی حمایت میں ضعیف اور مجروح روایات (بالخصوص ایسی روایات جو تیسرے اور چوتھے درجہ کی

کتابوں میں مذکور ہیں) پیش کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔
ان اعتراضات یا جوابات جن کی تعداد دس تک جا پہنچی ہے، انہیں ہم ذیل میں درج کر کے ان کے جواب بھی لکھیں گے۔ یہ یاد رہے کہ ان اعتراضات یا جوابات میں سے پہلے تین جوابات ہمارے قاری عبدالحفیظ صاحب نے بھی ”منہاج“ میں پیش فرمائے ہیں۔

(پہلا اعتراض) یہ حدیث منسوخ ہے:

حیرت ہے کہ حدیث تو منسوخ ہوگئی، مگر اس کا دور نبوی میں بھی کسی کو پتہ نہ چل سکا، دور صدیقی میں بھی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک بھی۔ اور حدیث بھی ایسی جس کا تعلق زندگی کے ایک نہایت اہم گوشہ اور حلت و حرمت سے ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی آیت یا حدیث اس حدیث کی ناخ ہے؟ یا کیا یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے منسوخ ہوگئی تھی؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو خود فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کی، جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ تو کیا کسی منسوخ حکم میں بھی مہلت ہوا کرتی ہے؟ نیز حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی امتی کا قول ناخ کیونکر ہو سکتا ہے؟

(دوسرا اعتراض) یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے:

اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ ابوداؤد میں ایک حدیث اس مضمون کی بھی موجود ہے۔
(منہاج ایضاً)

جواب: ابوداؤد میں اس مضمون کی دو روایات ہیں اور دونوں ”ابو الصہباء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ“ کی سند سے مروی ہیں۔ دوسری حدیث کا مضمون بالکل وہی ہے جیسا کہ ہم نے صحیح مسلم کی حدیث نمبر دو اوپر درج کی ہے۔ یعنی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا حکم ہر طرح کی مطلقہ کے لیے تھا۔ جب کہ ابوداؤد کی پہلی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ غیر مدخولہ کی تین طلاقوں کو ایک بنایا جاتا تھا۔

اب دیکھئے تین احادیث صحیح مسلم میں ہیں۔ ایک حدیث نسائی میں اور ایک ابوداؤد میں، ان پانچ احادیث میں علی الاطلاق یہ ذکر ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا دیا

جاتا تھا۔ لیکن ابو داؤد والی حدیث ضعیف ہے۔ امام نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ طاؤس سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں (نووی شرح مسلم ص ۸۷۱) تاہم اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایک عام حکم کو خاص کے تحت کیسے لایا جاسکتا ہے؟

(تیسرا اعتراض) اس حدیث میں کوئی حکم نہیں بلکہ یہ محض اطلاع ہے

اور وہ اطلاع یا خبر یہ ہے کہ دور فاروقی تک لوگ صرف ایک ہی طلاق پر اکتفا کرتے تھے اور اکٹھی تین طلاقیں دینے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ (منہاج ایضاً)

جوابات کی خدا کی قسم لا جواب کی

یہ اعتراض تاویل یا جواب دراصل تاویل و تعبیر نہیں بلکہ صحیح معنوں میں تحریف ہے جس میں حقیقت کو یکسر الٹا کر یہ توجیہ پیش کی گئی ہے۔ حدیث کے مطابق تو واقعہ یہ ہے ابو الصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھتے ہیں کہ ”آپ کو معلوم ہے کہ دور نبوی صدیقی اور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں تک ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا دیا جاتا تھا؟“ تو اس سوال کا جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ثبات میں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”ہاں میں جانتا ہوں“ اب سوال یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں تو ایک کس چیز کو بنایا جاتا تھا؟ قاری صاحب محترم کے پیش کردہ تین جوابات ختم ہوئے۔ اب مزید ”جوابات“ کی تفصیل دیکھئے۔

(چوتھا اعتراض) تین طلاقیں کہنے سے مراد محض ایک کی تاکید تھی:

کہا جاتا ہے یہ حدیث الفاظ کی تکرار کے سلسلہ میں ہے۔ جیسے کوئی یوں کہے ”اَنْتَ طَلَقْتَ اَنْتَ طَلَقْتَ اَنْتَ طَلَقْتَ“ تو صدر اول میں دلوں کی سلامتی کے باعث لوگوں کا یہ عذر قبول کر لیا جاتا تھا کہ ان کا ارادہ تو حقیقتاً صرف ایک طلاق کا تھا، تین بار الفاظ محض تاکید کے لیے کہے گئے تھے۔ مگر بعد کے دور میں فریب دہی زیادہ ہو گئی، جس کے باعث تاکید کا

دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہری الفاظ اور تکرار کو ہی اصل بنیاد قرار دے کر تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔“ (فتح الباری ج ۹)

قاری صاحب موصوف نے بھی اس ”جواب“ کو رسالہ مذکور کے ص ۳۰۷ پر ایک دوسرے عنوان کے تحت پیش کیا ہے اور مولانا مودودی بھی اس تاویل کو پسند فرماتے ہیں۔
(تفہیم القرآن ایضاً)

یہ جواب اس لیے غلط ہے کہ شرعی فیصلے تو ہمیشہ ظاہر پر ہی ہوا کرتے ہیں۔ دور نبوی ﷺ میں یہی دستور تھا، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی یہی دستور تھا اور آج کی عدالتوں میں بھی یہی دستور ہے۔ (باطن یا نیت کے مطابق فیصلے کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بندوں کا نہیں) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہر پر فیصلہ کا مدار رکھا تو یہ اصولاً کوئی نیا کام نہیں تھا۔ حالانکہ وہ خود اعتراف فرما رہے ہیں کہ انہوں نے کچھ نیا کام کیا تھا جو دور نبوی ﷺ اور صدیقی کے تعامل کے برعکس تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک بنانے کا حکم مستقل قائم بالذات تھا۔ بالعموم ایسے معاملات میں لوگوں کی نیتوں کو ٹٹولا نہیں جاتا تھا۔

(پانچواں اعتراض) یہ حدیث غیر مشہور ہے:

کہا جاتا ہے ”معاملہ اس قدر اہم ہو اور روایت صرف اکیلے ابن عباسؓ ہی کریں“ یہ بات باعث تعجب ہے۔“

یہ اعتراض ابن رشد قرطبی نے اٹھایا پھر خود ہی یہ کہہ کر اس کی تردید کر دی کہ محض اس وجہ سے کسی حکم کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

امام محمد بن اسماعیل یمنی صنعانی شارح بلوغ المرام نے اپنی تالیف سبل السلام (ج ۲ ص ۱۱۴) پر اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ”کتنے ہی ایسے مسائل ہیں جو صرف ایک راوی کی روایت ہونے کے باوجود قبول کر لیے گئے..... تو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو جو حرم الامتہ ہیں کیوں قبول نہیں کیا جاسکتا؟“

(چھٹا اعتراض) حدیث موقوف ہے:

کہا جاتا ہے ”اس حدیث میں کہیں یہ تصریح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس بات کا علم تھا کہ مسلمان لوگ تین طلاقوں کو ایک بنا رہے ہیں۔ دلیل تو تب بن سکتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوتا اور آپ ﷺ اسے نہ روکتے۔“

اس اعتراض کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ ”صحابی جب یہ کہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے تو یہ مرفوع کا حکم رکھتا ہے اور ایسے معاملات کو اس بات پر محمول سمجھا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسے معاملات کا خواہ یہ چھوٹے ہوں یا بڑے علم ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے انہیں برقرار رکھا۔“

علاوہ ازیں معترضین کے اعتراض کی رو سے صورت حال یوں بنتی ہے کہ دور نبوی میں مسلمان ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بنا کر اسے رجعی قرار دے لیا کرتے تھے۔ حالانکہ حقیقتاً وہ تین ہی پڑ جاتی تھیں اور عورت فی الواقع طلاق دینے والے پر حرام ہو جاتی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات نہ آئی نہ لائی گئی تھی۔ اس طرح آپ ﷺ کی زندگی ہی میں نعوذ باللہ زنا ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ بھی خاموش دیکھتا رہا اور اس کا رسول ﷺ بھی؟

(ساتواں اعتراض) راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہے:

کہا جاتا ہے ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی جو اس حدیث کے راوی ہیں۔“

اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ:

”إِنَّ الْأَعْتَبَارَ لِرِوَايَةِ الرَّاَوِي لَا لِبِرَآيِهِ“ یعنی ”راوی کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس کی رائے کا“ اور اس قاعدہ کی بنیاد یہ ہے کہ ”فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ“

(۲) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل رہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حالات کا لحاظ رکھ کر دونوں طرح کے فتوے دیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں سے تھے (تفصیل آگے آرہی ہے) آپ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ جو ابوداؤد میں مذکور ہے وہ یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ یکبارگی تین طلاق کو ایک ہی تصور فرماتے تھے۔ فتویٰ کی عبارت یوں ہے:

إِذْ قَالَ أَنْتِ طَلِقٌ ثَلَاثًا بِفَمِّ وَاحِدٍ جب کسی نے (اپنی بیوی سے) ایک ہی
فَهِيَ وَاحِدٌ. (ابوداؤد، کتاب الطلاق) وقت میں تین طلاق کہا تو یہ ایک ہی ہوگی۔

(آٹھواں اعتراض) یہ حدیث بخاری میں کیوں مذکور نہیں؟

کہا جاتا ہے اگر یہ حدیث فی الواقع قابل اعتماد ہوتی تو امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسے اپنی بخاری میں درج فرماتے۔

جواب:

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ انہوں نے تمام صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ لہذا یہ اعتراض تو محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دینے والی بات ہے۔

(۲) امت مسلمہ نے بخاری و مسلم دونوں کتابوں کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اسی لیے انہیں صحیحین کا نام دیا گیا ہے چنانچہ یہ اعتراض محض برائے اعتراض ہے۔

(۳) اگر معترض حضرات کے نزدیک صحیح مسلم صحیح بخاری کے درجہ میں کمتر درجہ کی کتاب ہے تو کیا اس مسئلہ کی طرح آپ دیگر مفردات ”مسلم“ کو بھی ایسے اعتراض کا نشانہ بنانے کے لیے تیار ہیں؟

(نواں اعتراض) سنت کی مخالفت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

اعتراض یہ ہے کہ ”اگر اس حدیث کو درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنت کی مخالفت کی۔“

(دسواں اعتراض) ”اجماع امت؟“:

حدیث رکانہ (مسند احمد) اور اس پر اعتراضات:

حدثنا محمد بن ابراهيم، حدثنا
ابى عن محمد بن اسحق حدثنى
داود الحصين عن عكرمة مولى
عبد الله ابن عباس رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ
رکانہ رضي الله عنه بن عبد یزید بنو مطلب کے بھائی
نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں

دے دیں۔ پھر اس کی جدائی کا بہت غم ہوا۔ رکانہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ”تم نے طلاق کیسے دی تھی؟“ رکانہ نے کہا ”میں تو تین طلاق دے چکا ہوں“ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا ایک ہی مجلس میں؟“ رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”ہاں ایک ہی مجلس میں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو یہ ایک ہی ہوئی اگر چاہو تو رجوع کرلو“ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا۔ اس حدیث کی روشنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طلاق کے متعلق یہ رائے تھی کہ تین طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ ہر طہر میں الگ الگ ہونی چاہئے۔

ابن عباس عن ابن عباس قال طلق رکانہ بن عبدیزید اخو بنی مطلب امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فحزن علیها حزناً شديداً فقال فسأله رسول الله ﷺ كيف طلقته؟ قال طلقته ثلاثاً قال فی مجلس واحد؟ قال نعم قال انما تلک واحدة فارجعها ان شئت. قال فرجعها فکان ابن عباس یرى انما الطلاق عند کل طهر. (مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵)

احادیث مسلم کی طرح اس حدیث پر کئی اعتراضات کیے گئے ہیں جن میں سے چار قابل ذکر اعتراضات درج ذیل ہیں:

پہلا اعتراض:

اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق اور ان کے استاد کے متعلق علمائے جرح و تعدیل کا اختلاف ہے۔ لہذا یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔

جواب: ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سند سے کئی احکام میں احتجاج کیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کا اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے نکاح کی بنا پر چھ سال بعد ان کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن رجب کے ایمان لانے پر انہیں لوٹانا (یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے) باب ماجاء فی الزوجین المشرکین سلم احدہما (تو جب دوسرے مسائل میں اسی سند سے احتجاج کیا جاسکتا ہے تو آخر اس مسئلہ میں کیوں نہیں کیا جاسکتا؟“

دوسرا اعتراض:

یہ حدیث ابوداؤد میں بھی مذکور ہے۔ اس میں تین طلاق کے بجائے ”طلاق البتہ“ کے الفاظ ہیں۔ ممکن ہے راوی نے طلاق البتہ سے تین طلاقیں سمجھ لی ہوں اور اپنی سمجھ کے مطابق بیان کر دیا ہو۔

جواب: ابوداؤد میں اس سے ملتے جلتے ایک کے بجائے دو واقعات مذکور ہیں اب چونکہ ان تینوں احادیث میں لفظ رکانہ موجود ہے لہذا خواہ مخواہ خلط بحث سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد میں جو دو احادیث ہیں، وہ بھی الگ الگ واقع ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) راوی نافع..... رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی۔

(۲) راوی ابن جریج..... ابورکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں۔

ابوداؤد پہلی روایت کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ لیکن ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں ہی ضعیف ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی ضعیف ہے اور دوسری ضعیف تر۔

رہی مسند احمد میں مندرج حدیث رکانہ تو وہ اسناد کے لحاظ سے ان دونوں سے بہت قوی ہے اور اس کی سند بھی بالکل الگ ہے۔

تیسرا اعتراض:

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہے۔ اس اعتراض کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے، مختصر یہ کہ راوی کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس کے فتویٰ کا۔

چوتھا اعتراض:

یہ مذہب شاذ ہے اس لیے اس پر عمل نہ ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں یہ اعتراض یوں ہے کہ یہ مذہب جمہور کے مذہب کے خلاف ہے، جس پر اتفاق ہے۔ اس شاذ مذہب یا جمہور کے اجتماع اتفاق پر ہم آگے چل کر تفصیل سے بحث کریں گے۔

تطلاق ثلاثہ کے ثبوت میں قاری صاحب کی پیش کردہ دو احادیث

پہلی حدیث: لعان کے بعد کی طلاقیں:

’عن سهل بن سعد في هذا الخبر قال: طلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ. (ابوداؤد ص ۶-۳، طبع کانپور) میں ”عند رسول الله ﷺ“ اور ”فانفذه“ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ (منہاج مذکورہ ص ۳۰۴)

یہ روایت نقل کرنے کے بعد قاری عبدالحفیظ صاحب فرماتے ہیں کہ ”اس روایت کے راوی ثقہ ہیں، لیکن عیاض بن عبد اللہ الفہری پر بعض حضرات نے ضعف کا حکم لگایا ہے۔ بعد ازاں قاری صاحب اس روایت کے رواۃ کو ثقہ تسلیم کرانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور تان یہاں آ کر ٹوٹی ہے کہ ”امام خطابی کی تصریح کے مطابق ابوداؤد کی کتاب موضوع سے بالکل خالی ہے اور ان جملہ قسموں (موضوع، مجہول، ضعیف) سے مبرا ہے۔ عمدۃ الالفاظ فی حکم الطلقات الثلاث ص ۱۹۔ (منہاج ص ۳۰۵)

اب دیکھئے اگر قاری صاحب موصوف یا خطابی صاحب کی سنن ابی داؤد کے متعلق بات درست تسلیم کر لی جائے تو درج ذیل سوالوں کا کیا جواب ہوگا؟

- (۱) صحت کے لحاظ سے ابوداؤد کو دوسرے درجہ کی کتابوں میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟
- (۲) عویمر عجلانی کا واقعہ بلا مبالغہ صحیحین میں بیسیوں مقامات میں مذکور ہے۔ لیکن ”فانفذ“ کا لفظ جس پر قاری صاحب کی دلیل کا سارا دار و مدار ہے آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

(۳) اگر ابو داؤد اتنی صحیح کتاب ہے تو پھر آپ کو ابو داؤد کی یہ حدیث بھی تسلیم کر لینا چائے جس میں مذکور ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں اور نئی بیوی سے نکاح کر لیا۔ ام رکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے ابورکانہ کو بلا کر کہا کہ ”ام رکانہ سے رجوع کر لو“۔ ابورکانہ نے کہا ”میں تو تین طلاق دے چکا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں جانتا ہوں رجوع کر لو“۔ (ابوداؤد کتاب الطلاق باب نزع الرہۃ)

اگر قاری صاحب ابو داؤد کی یہ حدیث بھی ضعیف، مجہول اور موضوع سے پاک تسلیم فرما لیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث بھی یکبارگی تین طلاق کے ایک واقعہ ہونے میں نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے۔

(۴) اگر فی الواقع رسول اللہ ﷺ نے یکبارگی تین طلاقیں کو نافذ کر دیا تھا تو اتنی مدت بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا چیز نافذ کی تھی؟ جس کے متعلق وہ خود فرما رہے ہیں کہ ”فَلَوْ اَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

اس قسم کی حدیثوں کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولم ينقل احد من النبي صلى الله عليه وسلم باسناد منقول ان احد طلق امراءه بكلمة واحدة فالزمه الثلاث بل روى في ذلك احاديث كلها باتفاق اهل العلم كذبة ولكن جاء في حديث صحيحة ان فلانا طلق امراته ثلاثا ای متفرقة. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۸ ص ۸۸)

بحوالہ مقالات ص ۲۱۳

کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اسناد کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ نقل نہیں کیا ہے کہ کسی شخص نے بیک کلمہ تین طلاقیں دی ہوں اور آپ ﷺ نے ان تین طلاقیں کو لازم کر دیا ہو بلکہ اس سلسلہ میں جو حدیثیں بھی مروی ہیں وہ باتفاق اہل علم جھوٹی ہیں۔ ہاں احادیث صحیحہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے متفرق طور پر تین طلاقیں دی تھیں۔

(دوسری حدیث) لعان کے بعد کی طلاقیں:

قاری صاحب موصوف نے جو دوسری حدیث پیش فرمائی وہ بھی عویمر عجلانی کے لعان والے واقعہ سے متعلق ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ یوں ہیں:

قال عویمر کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا قبل ان یموہ رسول اللہ ﷺ. (بخاری مسلم، السنن الکبریٰ)

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے لعان کرنے کے بعد آپ ﷺ کے فیصلہ کرنے سے قبل یہ کہا کہ اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ باندھا تھا۔ لہذا عویمر رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (منہاج ص ۳۰۵)

دیکھئے میاں بیوی کے درمیان جدائی کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) ایلاء (۲) ظہار (۳) طلاق (۴) خلع (۵) لعان۔

ان سب میں سے سخت اور شدید تر قسم لعان ہے۔ لہذا جدائی کی یہ قسم مرد کے ایک یا تین طلاقیں دینے کی قطعاً محتاج نہیں اور حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے تین طلاق کے الفاظ کہہ کر محض اپنے دل کی حسرت منائی تھی، کیونکہ لعان سے جو دائمی جدائی ہوتی ہے، وہ طلاق مغلطہ سے بھی شدید تر ہوتی ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق باب التفريق بين المتلاعنين)

اس بات میں تو اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ یہ جدائی لعان کے فوراً بعد از خود ہی موثر ہوتی ہے یا قاضی کے فیصلہ کی بھی محتاج ہے، جیسا کہ لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ”لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا“ (اب تمہارا اس عورت سے کوئی سروکار نہیں) لیکن اس بات میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ اس موقع پر مرد کا طلاق دینا ایک عبث اور زائد از ضرورت فعل ہے۔ دور نبوی ﷺ میں عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے علاوہ لعان کا ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا۔ ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ اور ان کی بیوی نے آکر آپ ﷺ کے سامنے لعان کیا اور قسمیں کھائیں تو ہلال بن امیہ کے طلاق یا طلاقیں دینے کے بغیر ہی مکمل

جدائی ہو گئی۔ (بخاری کتاب الطلاق)

لعانِ جدائی کی شدید تر قسم:

اب ہم یہ وضاحت کریں گے کہ لعان کن کن امور میں طلاق سے شدید تر ہوتا ہے۔

(۱) احسن طلاق یا طلاق النہ (صرف ایک طلاق دے کر پوری عدت گزر جانے دینا) کے بعد زوجین آپس میں تجدید نکاح کے ذریعہ پھر اکٹھے ہو سکتے ہیں اور تین طلاق یا طلاق مغلفہ کے بعد ”حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“ کی شرط ٹھیک طور پر پوری ہونے کے بعد (نہ کہ حیلہ سازی سے) سابقہ زوجین پھر نکاح کر سکتے ہیں، مگر لعان کے ذریعہ جدائی اتنی سخت ہوتی ہے کہ بعد میں ان کے اکٹھے ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

(مؤطا امام مالک کتاب الطلاق باب جامع الطلاق)

(۲) طلاق کے بعد عورت متعہ کی حق دار ہوتی ہے لیکن لعان کی صورت میں اسے متعہ نہیں ملے گا۔ (بخاری کتاب الطلاق باب المتعة التي لم يفرض لها)

(۳) طلاق کے بعد نومولود (اگر کوئی ہو تو اس) کا نسب باپ سے چلتا ہے۔ لعان کی صورت میں یہ نسب ماں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق باب يلبق الولد بالملاحة)

(۴) طلاق کی صورت میں نومولود (اگر کوئی ہو تو) والد کا وارث ہوتا ہے۔ لیکن لعان کی صورت میں بچہ ماں کا وارث، ماں بچے کی وارث ہوتی ہے۔ ماں کے خاوند سے نومولود کا یا اس کی ماں کا کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ (بخاری کتاب الطلاق)

انہی وجوہ کی بنا پر علمائے احناف نے بھی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاق کہنے سے تطلیق ثلاثہ کے جواز پر احتجاج نہیں کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل عبث تھا تو آپ ﷺ خاموش کیوں رہے؟ اس کے دو عدد جوابات ممتاز خفی عالم شمس الائمہ سرخسی کی زبانی سنئے جو انہوں نے اپنی تالیف ”مبسوط“ میں بیان فرمائے ہیں:

(۱) ”رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو ٹوکا نہیں تو یہ بات شفقت کی بنا پر

تھی۔ کیوں کہ یہ ممکن تھا کہ شدت غضب کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی بات قبول نہ کر پاتے اور کافر ہو جاتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دوسرے وقت کے لیے ٹوکنے کو مؤخر کر دیا۔ اور اتنا اسی وقت فرمادیا کہ ”لا سبیل لک علیہا“ یعنی ”تجھے اب اس عورت پر کچھ اختیار نہیں رہا“

(۲) ”یا یہ بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لیے مکروہ ہے کہ تلافی کا دروازہ بلا ضرورت بند ہوتا ہے اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں یہ بات موجود نہیں۔ کیونکہ لعان کرنے والے جب لعان پر مصر ہوں تو تلافی کا دروازہ یوں بند ہوتا ہے کہ پھر کبھی کھل نہیں سکتا اور عویمر رضی اللہ عنہ اس بات پر مصر تھے۔“ (مقالات ص ۱۴۷)

مجوزین تطلیق ثلاثہ کے مزید دلائل:

جہاں تک قاری صاحب کی پیش کردہ دو احادیث کا تعلق تھا تو ان کا جواب ہو چکا اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان تمام احادیث کا بھی جائزہ لے لیا جائے جو تطلیق ثلاثہ کے واقع ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہیں، تاکہ مسئلہ زیر بحث کے سب پہلو سامنے آجائیں۔

تیسری حدیث:

فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کہتی ہیں کہ:

طلقنی زوجی ثلاثا فلم يجعل رسول الله سكنى ولا نفقة۔
مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے (میرے شوہر کے ذمہ) نہ رہائش رکھی اور نہ نفقہ۔

اس حدیث سے استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ اگر تین طلاق ایک ہی رجعی طلاق شمار ہوتی تو یقیناً سکنی اور نفقہ شوہر کے ذمہ ہوتا۔ شوہر کے سکنی اور نفقہ سے سبکدوش ہونے کی ممکن صورت ہی یہ ہے کہ تین طلاقیں کو تین ہی (یعنی مغلطہ) قرار دیا جائے۔

جواب:

(۱) یہ استدلال اس لیے مبہم ہے کہ ثلاثا کے لفظ سے قطعاً یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ تین طلاقیں متفرق اوقات میں دی گئی تھیں یا ایک ہی مجلس میں؟

(۲) مزید برآں مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ تیسری اور آخری طلاق تھی جو فاطمہ بنتی الخصاصی قیس کے شوہر عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے دی تھی۔ اس روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں۔

طلقها اخر ثلاث تطليقات. یعنی عمرو رضی اللہ عنہ بن حفص نے آخری تیسری طلاق دی تھی۔ (مسلم کتاب الطلاق باب المطلقه البائن لانفقه لها)

(۳) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں:

فارسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس كانت بقت من طلاقها بنت قيس كوه طلاق بھیجی جواب بھی باقی تھی۔ (یعنی تیسری یا آخری)۔ (مسلم ایضاً)

ان وجوہ کی بنا پر اس واقعہ سے استدلال قطعاً درست نہیں۔

چوتھی حدیث رفاعہ قرظی کا قصہ:

رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکور ہے رفاعہ کی بیوی آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ دی اور میں نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کیا، مگر وہ تو کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”شاید تم رفاعہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا چاہتی ہو۔ یہ ناممکن ہے تا آنکہ تم دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لو۔“ (بخاری کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلاث)

جواب: اس حدیث کا لفظ ”بتہ“ سے اکٹھی تین طلاق کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ استدلال بھی مبہم ہے کیونکہ بتہ اور آخری یا تیسری طلاق سب کا مفہوم ایک ہے۔ تو جس طرح حدیث سابق میں تیسری کا لفظ مبہم تھا، بعینہ یہاں بھی مبہم ہے۔ مزید برآں اس کی تفصیل بخاری ہی میں کتاب الادب میں موجود ہے، جو یہ ہے کہ:

انہا كانت تحت رفاعۃ فطلقها وہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی، رفاعہ نے اسے
 اخر ثلاث تطليقات فتزوجها آخری تیسری طلاق بھی دے دی تو اس
 بعدہ عبدالرحمن بن زبیر کے بعد اس سے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن زبیر
 (بخاری کتاب الادب) نے نکاح کر لیا۔

پانچویں حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طلاق دینا:

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینے سے
 متعلق ہے۔ مرفوع احادیث میں تو اتنا ہی مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے اس طلاق کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رجوع کا حکم دیا اور طلاق
 دینے کا صحیح طریق بتلایا۔ قائلین تطلیق ثلاثہ کا احتجاج اس واقعہ سے متعلق نہیں بلکہ حضرت
 عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ سے متعلق ہے جو انہوں نے کسی سائل کے جواب میں دیا اور وہ
 بخاری میں یوں مذکور ہے:

”اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بار طلاق دی ہے تو یہ وہ صورت ہے جس میں رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجعت کا حکم دیا اور اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو تم پر بیوی حرام ہو
 گئی جب تک وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کر لے اور تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے
 کے سلسلہ میں نافرمانی کی۔“

جواب: یہ اثر بھی مبہم ہے کیونکہ ”طلقها ثلاثاً“ سے مراد تین دفعہ کی طلاق ہی ہو سکتی
 ہے اور اللہ کی نافرمانی کا تعلق حالت حیض میں طلاق دینے سے ہے کیوں کہ ان کا اپنا واقعہ
 معصیت حالت حیض میں طلاق دینے سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی مزید وضاحت مصنف ابن ابی شیبہ دارقطنی اور
 طبرانی میں جس طرح مرقوم ہے اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو مرفوع حدیث کا درجہ عطا
 کر دیا ہے کہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے کہا، ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں تین
 طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع حلال ہوتا؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں وہ تجھ

سے جدا ہو جاتی اور (تیرا ایک ہی دفعہ تین طلاق دینا) گناہ کا کام ہوتا۔“
یہ اثر اگر صحیح ثابت ہو جاتا تو قطع نزاع کے کام آ سکتا تھا، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ اثر انتہائی مجروح ہے۔ کیوں کہ یہ حدیث درج کرنے کے بعد امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے کہ اس ٹکڑے کا راوی شعیب ہے، جس میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ دوسرا راوی رزق ہے، جو ضعیف ہے، تیسرا عطاء خراسانی ہے، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اسے جھوٹا بتاتے ہیں۔

اب اس اثر کے بالکل برعکس ایک روایت تفسیر قرطبی میں یوں ہے کہ:
”عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔“
(تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۲۹ بحوالہ مقالات ص ۱۳۳)

چھٹی حدیث: میری موجودگی میں کتاب اللہ سے مذاق؟

یہ نسائی کی وہ حدیث ہے جس کا میں نے اپنی طرف سے اجمالی طور پر مفہوم بیان کیا تھا۔ حدیث کا متن یا اس کا ترجمہ یا حوالہ کچھ بھی درج نہیں کیا گیا تھا۔ اور وہ اجمالی ذکر یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جا رہا ہے؟“ اس کے بعد میں نے لکھا تھا ”تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی طلاق شمار کی“ قاری صاحب موصوف نے تعاقب کرتے ہوئے اس فقرہ کے متعلق فرمایا ہے کہ:
”کیلانی صاحب نے یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھایا ہے اس لیے کہ حدیث میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جن سے معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک ہی شمار کیا۔“

(منہاج ص ۳۱۲)

مجھے یہ تسلیم ہے کہ فی الواقع نسائی والی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ مگر قاری صاحب کا اعتراض اس صورت میں درست ہوتا اگر میں نسائی کی حدیث درج کر کے ترجمہ

میں یہ اضافہ کر دیتا یا صرف ایسا اضافہ شدہ ترجمہ ہی لکھ کر نسائی کا حوالہ درج کر دیتا۔ جب کہ متنازعہ فقرہ نسائی کی حدیث میں اضافہ نہیں بلکہ اس کی بنیاد درج ذیل امور ہیں:

(۱) مسلم کی تین احادیث کے مطابق دور نبوی ﷺ میں اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

(۲) نسائی ہی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ اکٹھی تین طلاق دینے پر اس قدر برا فروختہ ہوئے کہ شدت غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ”میری موجودگی ہی میں کتاب اللہ سے یوں کھیلا جا رہا ہے“ آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے اذن چاہتا ہے کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟“

ان حالات میں عقل یہ باور نہیں کرتی کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ان تین طلاقوں کو تین ہی رہنے دیا ہو۔ اس کے برعکس جناب قاری صاحب فرماتے ہیں کہ:

آپ ﷺ نے اس ناراضگی کے باوجود ان تین طلاقوں کو اس پر نافذ کر دیا تھا، چنانچہ محمود بن لبید کی اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

فلم يرده النبي ﷺ بل امضاه حضور ﷺ نے تین طلاقوں کو رد نہیں کیا بلکہ
كذا في حديث عويمر العجلاني ان كونا فذ كر ديا۔ اور جيسا کہ عويمر عجلاني کی
في اللعان حيث امضى طلاقه لعان والی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے
الثلاث ولم يرده۔ (تہذیب سنن ابی داؤد) اس کی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا اور رد نہیں
ص ۱۲۹ ج ۲ بحوالہ عمدۃ الاثبات (منہاج مذکور ص ۳۱۲) کیا تھا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالہ سے قاری عبدالحفیظ صاحب کی درج کردہ یہ روایت کئی وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے۔ مثلاً:

(۱) آپ نے ”عمدۃ الاثبات“ کا حوالہ مکمل درج نہیں فرمایا کہ اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

(۲) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ان اساطین میں سے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک قرار دینے والے گروہ کے علمبردار ہیں۔ ان سے ایسی تحریر کی توقع محال ہے۔

(۳) عومیر رضی اللہ عنہ عجلانی کی تین طلاق کے نفاذ والی روایت بجائے خود ضعیف ہے

جسے بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بنائے فاسد علی الفاسد والی بات ہے۔

(۴) . تطلیق ثلاثہ کے قائلین اور مخالفین سب اس بات پر متفق ہیں کہ عومیر عجلانی رضی اللہ عنہ

اور ان کی بیوی کی تفریق طلاق کی بنا پر نہیں، بلکہ لعان کی بنا پر ہوئی تھی (اور یہ بحث پہلے گزر

چکی ہے) لعان کے بعد جیسے حضرت عومیر رضی اللہ عنہ کا تین طلاقیں دینا عبث فعل ہے۔ جس چیز

کے نفاذ یا عدم نفاذ کا کچھ اثر ہی نہ ہو سکے اس سے احتجاج کیسے درست ہوگا؟

(۵) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے استاد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسی تمام روایات کو جن میں ایک مجلس

کی تین طلاق کو تین قرار دینے یا ان کے نفاذ کا ذکر ہو، ”باتفاق اہل علم جھوٹی“ قرار دیتے

ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ پھر اس خاص مسئلہ میں استاد اور شاگرد کا اختلاف بھی

کہیں مذکور نہیں۔ اس صورت حال میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ روایت کیونکر

درست قرار دی جاسکتی ہے؟

ساتویں حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے دادا کا قصہ:

یہ مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت ہے:

”عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں

اس کے بعد میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تیرا باپ اللہ

سے ڈرا نہیں۔ تین طلاقیں اس کا حق تھا باقی سب کچھ زیادتی ہے۔ اللہ چاہے تو سزا دے

اور چاہے تو معاف کر دے۔“

یہ روایت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر نص تو ہے مگر یہ روایت نہ درایتہ درست ہے

نہ روایتہ۔ درایتہ اس لیے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان بارہ سرداروں میں سے ہیں

جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ یہ بات بھی معلوم کرنا مشکل

ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کے دادا

زندہ بھی تھے یا نہیں؟ ان کا اسلام ثابت کرنا تو دور کی بات ہے اور روایت اس لیے غلط اور

نا قابل اعتماد ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن العلاء کذاب اور واضح حدیث ہے۔
دوسرا عبید اللہ بن ولید متروک الحدیث ہے۔ تیسرا ابراہیم بن عبید اللہ مجہول ہے۔

(میزان الاعتدال للذہبی)

ایسی ہی روایات کے باوصف ”مصنف عبدالرزاق“ حدیث کی چوتھے درجہ کی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

آٹھویں حدیث: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تین طلاقیں:

یہ حدیث بیہقی کی ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا ”آپ کو خلافت مبارک ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کرتی ہو؟ جاؤ تجھے تین طلاق“ جب اس کی عدت پوری ہونے لگی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو حق مہر کی بقایا رقم اور دس ہزار (مزید) بطور صدقہ بھیجے۔ جب اپنی یہ کچھ لے کر آیا تو کہنے لگی ”مجھ کو چھوڑنے والے دوست کی طرف سے یہ متاع قلیل ہے“ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو رو پڑے پھر کہا ”اگر میں نے اپنے دادا سے نہ سنا ہوتا، یا میرے باپ نے میرے دادا سے نہ سنا ہوتا کہ وہ کہتے تھے جو شخص بھی اپنی عورت کو طہروں میں تین طلاقیں دے یا غیر واضح طلاقیں دے تو وہ عورت خاوند پر حلال نہیں، تا آنکہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، تو میں اس عورت سے ضرور رجوع کر لیتا۔“ (اسنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۶)

یہ روایت بھی روایت اور درایت دونوں طرح سے ناقابل اعتماد ہے۔ روایت یوں کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہے جس کو ابوزرعہ نے کذاب اور ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے (اغاثۃ اللفہان ج ۱ ص ۳۱۷، ۳۱۹ بحوالہ مقالات ص ۲۱۲) اور درایت اس لیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دادا ابوطالب تھے، جو مکی دور میں ہی بحالت کفر انتقال کر گئے تھے۔ جب کہ نکاح و طلاق کے احکام مدنی دور میں نازل ہوئے تھے گویا درایت بھی اس روایت میں دو خامیاں ہیں۔

نویں حدیث:

یہ حدیث دارقطنی کی ہے جو اس طرح ہے:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا ”تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل اور مذاق بناتے ہو؟ جو شخص بھی طلاق دے گا۔“ ہم اس پر تین لازم کر دیں گے، اور اس کی عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی، جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔“ (دارقطنی)

اس حدیث کے بارے میں خود امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن ابی امیہ قرشی ضعیف اور متروک الحدیث ہے، اور یہ حدیثیں بھی گھڑتا ہے۔

دوسرے راوی عثمان بن قطر کے متعلق ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ایک تیسرے راوی عبد الغفور کے متعلق علامہ محمد طاہر نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ”فسی اسنادہ ضعفاء و مجاہیل“ یعنی ”اس کی سند میں کئی ضعیف اور مجہول راوی ہیں۔“

(مقالات ص ۱۵۵)

سو یہ تھیں وہ احادیث جن سے ایک مجلس کی تین طلاقیں کے تین ہی واقع ہونے کو ثابت کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتوے:

میں نے اپنے مضمون ”خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شرعی تبدیلیاں“ میں لکھا تھا کہ:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری فیصلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نہ ہو سکا اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہم آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے خلاف تھے۔“

اس کے جواب میں قاری صاحب نے تین صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ،

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایسے فتوے پیش کر دیئے جو تین طلاقوں کے تین ہی واقع ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق شاید انہیں اپنے حق میں لکھنے کو کچھ مواد نہیں مل سکا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق قاری صاحب نے لکھا ہے کہ آپ سے دونوں قسم کی احادیث مروی ہیں۔ پھر اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی وہ حدیث درج فرمائی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری فیصلہ کے نفاذ کا ذکر ہے۔

ہم پہلے پیر کرم شاہ صاحب ازہری کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ نافذ کر دیا تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دین اور مسلمانوں کا نگہبان سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تعزیر مسلمانوں پر اس لیے عائد کی ہے کہ اس فعل حرام سے باز آجائیں، لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمنوائی میں بسا اوقات اختلاف رکھنے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق فتوے دے دے دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں فتوے:

اس کی مثال یہ سمجھئے کہ عند الضرورت جنابت سے تیمم کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد بھی دلایا کرتے تھے کہ ”اے امیر المومنین! آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ لشکر کے ایک ٹکڑے میں تھے۔ پھر ہم کو جنابت ہوئی اور پانی نہ ملا۔ آپ نے نماز نہ پڑھی لیکن میں مٹی میں لوٹا اور نماز پڑھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا ”تجھے کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتا، پھر ان کو پھونکتا پھر مسح کرتا دونوں پہنچوں پر“ اپنے حافظہ پر اتنے وثوق کے باوجود جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف محض مصلحت کی بنا پر تھا کہ لوگ اس حقیقت سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیں گے) تو انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

یا امیر المومنین ان شئت لما جعل الله على من حَقَّ لا حق مجھ پر رکھا ہے (یعنی آپ خلیفہ ہیں اور احدث به احدا - (مسلم کتاب الجہز میں رعیت ہوں) اگر آپ چاہیں تو میں یہ باب العیم) حدیث کسی سے بیان نہ کروں گا۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی سیاسی مصلحت کی خاطر حج تمتع سے بھی منع فرمایا کرتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج تمتع کی ترغیب دی تھی۔ اس مسئلہ میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقصد کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ:

”ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حج تمتع کا فتویٰ دیتے تھے تو ایک شخص نے کہا:

آپ اپنے بعض فتوے روک رکھیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے حج کے سلسلہ میں جو نئی بات نکالی ہے۔“ (مسلم کتاب الحج، باب جواز تعلق الحرام)

ان واقعات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت معلوم ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عائد کردہ حدود و قیود کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔ یا کم از کم اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ تطبیقات ثلاثہ کا مسئلہ بھی انہی میں سے ایک ہے اس مسئلہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیئے تھے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ۔

اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہی فتوے دیتے رہے ان کے نام یہ ہیں، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔

(دیکھئے اعلام الموقعین ص ۸۰۳)

اور مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے دونوں قسم کے فتوے منقول ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(حوالہ ایضاً)

جب یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے موافق فتوے دیتے تو ان کے ایسے فتووں کی خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ ایسے فتاویٰ سے زبردستی اور تعزیراً خود مترشح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے:

مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو لیجئے، صحیح مسلم میں مذکور حدیث کہ ”دور فاروقی کے پہلے دو سالوں تک ایک مجلس تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا“ کے راوی آپ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ پھر دو مزید احادیث جن میں اسی مضمون پر ابوالصہباء کے سوال کا جواب دیتے ہیں صحیح مسلم ہی میں موجود ہیں۔ ابوداؤد میں بھی آپ رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون پر مشتمل ایک روایت موجود ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے:

إِذَا قَالَ أَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِفَمٍّ وَاحِدٍ جب کسی نے (اپنی بیوی سے) ایک ہی فہمی واحده۔ (ابوداؤد کتاب الطلاق) وقت میں تین طلاق کہا، تو یہ ایک ہی ہوگی۔

اور ایک صحیح روایت میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ:

وَاللّٰهُ مَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَجْعَلُهَا إِلَّا اللہ کی قسم! ابن عباس رضی اللہ عنہ اسے (تطلاق بواحدة۔ (عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۷) ٹلاشو کو) ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔

اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ تعزیری فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیے جو قاری صاحب نے درج فرمایا ہے۔ (ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے)

”حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آ کر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ میں نے گمان کیا، شاید ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی بیوی کو واپس لوٹا دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تم میں ایک شخص حماقت کر بیٹھتا ہے پھر کہتا ہے اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اس کیلئے آسانی کی راہ نکالتا ہے اور بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں

ڈرا' میں تیرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا ہوں۔ تو نے اللہ کی نافرمانی کی ہے تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔“ (ابوداؤد ص ۲۹۹ بحوالہ منہاج ص ۳۱۰)

مندرجہ ذیل فتویٰ سے دو باتیں معلوم ہوئی:

- (۱) حضرت مجاہد رحمہ اللہ راوی جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طبیعت سے خوب واقف تھے، انہیں طلاق دینے والے کی بات سننے کے بعد بھی یہی گمان ہوا تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسی طلاقوں کو ایک طلاق شمار کر کے اس کی بیوی کو واپس لوٹا دیں گے۔ گویا سنجیدہ صورت حال میں آپ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی ہوتا تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں حقیقتاً ایک ہی ہوتی ہے۔
- (۲) فتویٰ کے الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ فتویٰ سائل کو اس کی حماقت کی سزا کے طور پر دیا جا رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

قاری صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو فتویٰ درج فرمایا وہ یوں ہے:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تین طلاقوں نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا ہے“ باقی ۹۹۷ طلاقیں اپنی دوسری بیویوں میں تقسیم کر دے۔“

(منہاج ص ۳۱۰ بحوالہ پہلی ج ص ۳۳۵ طبع بیروت)

قطع نظر اس بات کے کہ ایسی روایات کی اسنادی حیثیت انتہائی کمزور ہوتی ہے (کیوں کہ یہ تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب سے لی گئی ہیں) اگر اس واقعہ کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سائل انتہائی جاہل اور بے ہودہ انسان تھا۔ جاہل اس لیے کہ اسے اتنا علم نہ تھا کہ طلاقیں زیادہ سے زیادہ تین ہی ہیں اور بے ہودہ اس لیے کہ اپنی اس جہالت اور حماقت کو اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی جانتایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ بھی ”جیسی روح ویسے فرشتے“ کے مصداق ہے۔ ذرا سوچئے کہ واقعی سائل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق ۹۹۷ طلاقیں اپنی دوسری

بیویوں میں تقسیم کردی ہوں گی؟ فرض کیجئے کہ اس کی چار بیویاں تھیں۔ ان ۹۹۷ میں سے ۹ طلاقیں تو بقایا تین بیویوں کے لیے ہوئیں، اس طرح وہ بھی اس سے جدا ہوئیں۔ پھر بھی ۹۸۸ طلاقیں بچ رہیں ہیں، جو کسی کام نہ آسکیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ فتویٰ جو قاری صاحب موصوف نے درج فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

”ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے دی ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا ”تجھے علماء نے کیا کہا ہے؟“ کہنے لگا، وہ کہتے ہیں کہ ”وہ مجھ سے جدا ہوئی“ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ”لوگوں نے سچ کہا۔“ (منہاج ص ۳۱۱ ص ۴۵ طبع بیروت)

اب دیکھیے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دیں، اور ظاہر ہے کہ دین سے یہ مذاق ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے یہ تعزیر بہت کم ہے کہ صرف ان کی بیوی ان سے جدا کر دی جائے۔ ایسے لوگوں کو تو بدنی سزا بھی ضروری دینا چاہیے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو مارا بھی کرتے تھے۔

اسی طرح ایک اور صاحب اپنی بیوی کو دو سو طلاقیں دے کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس فتویٰ پوچھنے تشریف لائے تھے۔ انہیں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا تھا۔ (موطا امام مالک کتاب الطلاق)

تطلیقات ثلاثہ پر اجماع کا دعویٰ:

قاری صاحب فرماتے ہیں:

”ایک آیت اور دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی رہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی! اور اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں رہا، سوائے چند حضرات کے جن

میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں۔ فقہ جعفریہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے یہ مسئلہ اجماعی اور ضروریات شیعہ میں سے ہے۔ ”صحیح زرلہ“ میں یہ روایت ہے کہ امام جعفر صادق سے اس مرد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے حالت طہر میں ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو آپ نے فرمایا ”طلاق ایک ہی واقع ہوگی۔“ (منہاج، ص ۳۰۶، ۳۰۷ ملخصاً)

اب دیکھیے قاری صاحب نے ایک آیت اور دو حدیثوں سے اس مسئلہ کو جس قدر ثابت فرمایا اس کی وضاحت ہم پیش کر چکے ہیں۔ باقی اقتباس میں بھی آپ کئی خلاف واقعہ باتیں ارشاد فرما گئے۔ مثلاً آپ فرما رہے ہیں کہ:

”آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں اور اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا۔“

اب سوال یہ ہے کہ اجماع کی بات تو تب ہی فٹ بیٹھتی ہے جب پہلے اختلاف کی بات چل رہی ہو۔ ہمارے قاری صاحب محترم اختلاف کی بات تو کرتے نہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ”اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا“ کیا یہ اجماع ایک ایسی بات پر ہوا تھا جو پہلے سے ہی مسلم چلی آ رہی تھی؟

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر دور نبوی ﷺ سے ہی تین طلاقوں کا تین ہی واقع ہونا مسلم چلا آ رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمان نافذ کیا تھا؟

اجماع یا اختلاف؟

حقیقت میں یہ بات یوں ہے کہ دور نبوی ﷺ سے لے کر دور فاروقی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو تین سالوں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات کے مصداق پوری امت کا اس بات پر اجماع تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی نافذ کر دیا تو امت میں اختلاف واقع ہو گیا (جس کی پوری تفصیل آگے آ رہی ہے) لیکن قاری صاحب نے بالکل الٹی گنگا بہانا شروع

کر دی ہے۔

اجماع کے معنی:

پھر فرماتے ہیں:

”اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں رہا، سوائے چند حضرات کے جن میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاری صاحب یا تو اجماع کے معنی نہیں سمجھتے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ ورنہ ایک ہی فقرہ میں متضاد باتیں نہ لکھ جاتے۔ اجماع کا معنی یہ ہے کہ اگر کل آدمی دس ہیں اور وہ سب کے سب ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں تو یہ اجماع ہے اور اگر دس آدمیوں میں سے ایک نے بھی اختلاف رائے کیا تو یہ اجماع نہ رہا۔ باقی نو آدمیوں کو جمہور یا اکثریت کی بات تو کہا جاسکتا ہے اجماع نہیں کہا جاسکتا اور حجت شرعیہ اگر ہے تو اجماع ہے نہ کہ جمہور۔ اب قاری صاحب کا کمال یہ ہے کہ ایک طرف تو فرما رہے ہیں کہ ”اس پر اجماع ہو گیا“ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ”ما سوائے چند حضرات کے جن میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں“ گویا قاری صاحب کے ”چند حضرات“ بھی اتنے زیادہ ہیں کہ ان میں سارے شیعہ، سارے اہل حدیث اور سارے ظاہری سما جاتے ہیں، پھر بھی وہ ”چند“ ہی رہتے ہیں۔ اب اتنے زیادہ ”چند“ کے باوجود باقی اصحاب پر قاری صاحب ”اجماع“ کا اطلاق فرمائیں تو یہ ان کا ہی کمال سمجھنا چاہئے۔

پھر طرفہ تماشایہ کہ ادھر قاری صاحب اجماع کا دعویٰ فرما رہے ہیں ادھر ان کے بقول صاحب جواہر یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ”یہ مسئلہ اجماعی اور ضروریات شیعہ میں سے ہے“ (منہاج مذکور ۳۰۷) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی ”دعوائے اجماع“ حقیقت پر مبنی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ:

آگے چل کر قاری صاحب نے فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کیا تھا کہ عام طور پر لوگ جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتے تو حاکم یا قاضی کے سامنے آ کر کہتے کہ میں نے تو تین طلاق کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ آخری الفاظ تاکید کے لیے استعمال کئے تھے۔ اور حیلہ کر کے اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ ہم فیصلہ نیت پر نہیں کریں گے۔ بلکہ ظاہر الفاظ پر کریں گے۔ جس نے مجلس واحد میں تین طلاقیں دیں تو ہم وہ تین ہی شمار کریں گے۔“

(ایضاً ص ۳۰۷)

اب دیکھیے قاری صاحب پہلے یہ فرما چکے ہیں کہ دور نبوی اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں۔ یہ کام تو پہلے ہی ہو رہا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کارنامہ سرانجام دیا اور کیا قانون نافذ فرمایا تھا؟ قاری صاحب کے ان دونوں بیانیوں میں مطابقت کی صورت تو یہی ہو سکتی ہے کہ درمیان میں حاکم یا قاضی کا رابطہ جب قائم ہوا تو وہ لوگوں کی حیلہ بازی پر اعتماد کرتے ہوئے دور نبوی رضی اللہ عنہم اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلہ کے علی الرغم ان کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرنے کی چھوٹ دے دیا کرتے تھے اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کیا تھا تو یہ عوام کی اصلاح کے لیے نہیں بلکہ ایسے ترس کھانے والے حاکم یا قاضیوں کی تنبیہ کے لیے بنایا گیا جو لوگوں کی نیت پر یا حیلہ بازی پر اعتماد کر کے تین طلاق کو ایک بنا دیا کرتے تھے۔ جو کچھ بھی تھا، یہ بات بہر حال قاری صاحب نے تسلیم فرمائی کہ لوگ تو تین طلاق ہی دیا کرتے تھے مگر حاکم یا قاضی ان کو ایک بنا دیا کرتے تھے۔

اب اگر ہم یہی بات کہیں جو قاری صاحب نے تسلیم فرمائی ہے تو قاری صاحب برا مانا جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نہیں ایسا کب ہوتا تھا، وہ تو دور نبوی رضی اللہ عنہم میں بھی اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کرتے تھے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ

آخر میں آپ نے وہی بات کہہ دی جو ہم کہتے ہیں صبح کا بھولا اگر شام کو گھرا جائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے!

تطریق ثلاثہ سے متعلق چار گروہ:

تطریق ثلاثہ پر اجماع کی حقیقت کا اندازہ تو صرف اس ایک بات سے ہی ہو جاتا ہے کہ تطریق ثلاثہ کے وقوع کے بارے میں مندرجہ ذیل چار قسم کے گروہ پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلا گروہ وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو وقتی اور تعزیری سمجھتا ہے اور سنت نبوی کو ہر زمانہ کے لیے معمول جانتا ہے۔ اس کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ اس گروہ میں ظاہری اہل حدیث اور شیعہ شامل ہیں۔ نیز ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مقلدین میں سے بعض وسیع الظرف علماء بھی اس گروہ میں شامل ہیں اور بعض ”اشد ضرورت کے تحت“ اس کے قائل ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ وہ مقلد حضرات کا ہے۔ یہ گروہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو تعزیری یا وقتی تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسے مشروع اور دائمی سمجھتا ہے۔ اس گروہ میں اکثریت مقلدین کی ہے، پھر مقلدین میں سے بھی کچھ بالغ نظر علماء اس مسلک سے اختلاف رکھتے ہیں۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے جو دوسری انتہا کو چلا گیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک مجلس میں ایک طلاق تو جائز ہے لیکن اگر دو یا تین یا زیادہ دی جائیں تو ایک بھی واقع نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ طلاق دینا کار معصیت اور خلاف سنت یعنی بدعت ہے جس کے متعلق ارشاد ہے کہ:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی تو وہ بات

مردود ہے۔

تو اس لحاظ سے ایسی بدعی طلاقیں سب مردود ہیں لغو ہیں باطل ہیں۔ لہذا ایک طلاق بھی نہ ہوگی۔ اس گروہ میں شیعہ حضرات میں سے کچھ لوگ شامل ہیں۔ حجاج بن ارطاة اور

محمد بن مقاتل (حنفی) بھی اس کے قائل ہیں۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۷۸)

(۴) ایک قلیل تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو ایک مجلس کے تین طلاق کو غیر مدخولہ کے لیے ایک ہی شمار کرتے ہیں اور مدخولہ کے لیے تین۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۶۷)

غور فرمائیے کہ جس مسلک میں اس قدر اختلاف ہو کہ اس کے بارے میں چار گروہ پائے جاتے ہوں، اسے ”اجماعی“ کہا جاسکتا ہے؟



تطریق ثلاثہ میں اختلاف کرنے والے اور اختلاف کو تسلیم کرنے والے علماء

جو حضرات ایک مجلس کی تین طلاق کے تین واقع ہونے کے قائل ہیں ان کا سب سے بڑا سہارا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد پوری امت کا اس فیصلہ پر اجماع ہو گیا تھا۔ اس اجماع پر مجملہ تبصرہ تو پہلے گزر چکا ہے اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اور ترتیب زمانی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس دعویٰ کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ نیز بتانا چاہتے ہیں کہ درج ذیل اصحاب نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا یا کم از کم اختلاف کو تسلیم کر کے بالفاظ دیگر اجماع کا انکار کر دیا۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اس ضمن میں پہلا نام تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا آتا ہے۔ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ طلاق بتہ کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔

(مؤطا کتاب الطلاق باب ما جاء فی البتہ)

طلاق بتہ کیا ہوتی ہے؟ اگرچہ اس کی مختلف تعریضیں بیان کی گئی ہیں تاہم ان سب سے بہتر تعریف وہ ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیان فرمائی کہ:

”اگر طلاق ایک ہزار تک درست ہوتی تو بتہ اس میں سے کچھ باقی نہ رکھتا۔ جس نے بتہ کہا تو وہ انتہا کو پہنچ گیا۔“ (مؤطا ایضا)

اب چونکہ طلاقیں تین ہی ہیں لہذا بتہ (لفظی معنی ”کاٹنے والی“ زوجیت کے معاملات کو قطع کر دینے والی) کا وہی معنی ہوا جو طلاق مغلفہ کا ہے۔ طلاق بتہ یا تو تیسری طلاق ہوگی! ایک مجلس کی ایسی تین طلاقیں جنہیں تین ہی شمار کیا گیا ہو۔ تیسری طلاق کے

بتہ یا مغلظ ہونے میں تو کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا، رہا ایک مجلس کی تین طلاق کا مسئلہ تو اگر اختلاف ہے تو صرف اسی میں ہے۔ مؤطا کی پوری عبارت یوں ہے کہ:

”طلاق بتہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک ہی طلاق پڑے گی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین پڑیں گی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے سفیان ثوری رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے نزدیک جو نیت ہوگی وہی واقع ہوگی، مگر باسن پڑے گی۔ شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک رجعی ہوگی، مروان بن الحکم حاکم مدینہ طلاق بتہ میں تین طلاق کا حکم کرتے تھے۔“ (مؤطا ایضاً)

مؤطا امام مالک کی اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل تھے۔ اور جو قانون آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کیا، وہ غیر محتاط لوگوں کو سزا کے طور پر نافذ کیا تھا۔

(۲) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۶ھ):

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان تجویز فرماتے ہیں ”باب من اجاز طلاق الثلاث“۔

اس عنوان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک صراحۃً دوسرے کنایتاً، صراحۃً یہ کہ امام بخاری کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی نہیں، بلکہ اختلافی ہے۔ اور کنایتاً یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا رخ بھی مزمومہ اجماع کی طرف نہیں ہے، ورنہ وہ ایسا عنوان تجویز ہی نہ فرماتے۔ اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف دو واقعات پر مشتمل تین احادیث لائے ہیں۔ ایک واقعہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے اور دوسرا رافعہ قرظی سے متعلق۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی تین احادیث ایسی ہیں، جن سے قائلین تطلق ثلاثہ استدلال فرما سکتے ہیں اور ان پر ہم پہلے بھر پور تبصرہ کر چکے ہیں۔

(۳) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ممتاز حنفی عالم اپنی تالیف ”معانی الآثار“ ج ۲ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ:

فذهب قوم الى ان الرجل اذا طلق امراته ثلاثاً معا وقعت عليها واحدة. (بحوالہ مقالات ص ۲۱)

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اگر آدمی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقعہ ہوتی ہے۔

گویا آپ کے نزدیک اختلاف کرنے والے چند حضرات نہیں بلکہ ایک قوم ہے۔ لہذا اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

(۴) امام فخر الدین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۰۶ھ):

آپ اپنی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۳۸ پر فرماتے ہیں:

هذا اختيار كثير من علماء الدين ان لو طلقها اثنين او ثلاثا لا يقع الا واحدة وهذا القول اقرب الى القياس لان النهي عن الشيء يدل على اشتمال المنهى عنه على مفسدة راجحة والقول بالوقوع في ادخال تلك المفسدة في الوجود وانه غير جائز فوجب ان يحكم بعدم الوقوع.

یعنی بہت سے علمائے دین کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ جو شخص بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مشتمل ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے۔ اور یہ بات جائز نہیں، لہذا عدم وقوع کا حکم لگانا واجب ہے۔

(بحوالہ مقالات ص ۲۵)

(۵) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ھ):

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص ایک طہر میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں طلاق دے تو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، لیکن ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین

واقع ہوں گی اور ایک یہ ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ اور یہی بات زیادہ صحیح ہے جس پر کتاب وسنت دلائل کرتے ہیں۔“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۸۷ بحوالہ مقالات ص ۶۶)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”سلف اور خلف میں مالک رحمہ اللہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور داؤد رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایسے حضرات تھے جو تطلق ثلاثہ کو یا تو لغو قرار دیتے تھے، یا پھر اس سے ایک طلاق رجعی واقع کرتے تھے اور یہی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔“

(فتاویٰ امام ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۵۱ بحوالہ مقالات ص ۸۱)

(۶) امام ابن قیم رحمہ اللہ:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ”اعلام الموقعین“ میں تطلق ثلاثہ کو ایک قرار دینے والوں کی جو فہرست دی ہے وہ اس طرح ہے:

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔

(۳) بعد کے ادوار میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ، طاؤس رحمہ اللہ، محمد بن اسحاق رحمہ اللہ، خلاص بن عمرو رحمہ اللہ، حارث عکلی رحمہ اللہ، داؤد بن علی رحمہ اللہ اور ان کے اکثر ساتھی، بعض مالکی، بعض حنفی۔ جیسا کہ ابو بکر رازی اسے محمد بن مقاتل سے روایت کرتے ہیں۔ بعض حنبلی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے دادا عبدالسلام حرانی رحمہم اللہ!

(اعلام الموقعین اردو ص ۹۹ اور ص ۸۰۳)

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے، دوسری یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک رجعی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محمد بن مقاتل رازی رحمہ اللہ نے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ (اعانۃ الملبغان ص ۱۵۷ مطبوعہ مصر بحوالہ مقالات ص ۱۱۲)

(۷) امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ):

آپ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۹ کے ص ۲۹ پر تطلیق ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دینے والوں کی جو فہرست دی ہے وہ درج ذیل ہے:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی بات منقول ہے۔ اسے ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور غنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسلک کو قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ مثلاً محمد بن تقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن عبد السلام خنسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور ابن الممذر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب مثلاً عطاء رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔“

(بحوالہ مقالات ص ۱۵۷)

(۸) علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۵ھ):

آپ بھی شارح بخاری ہیں۔ اس شرح کا نام عمدۃ القاری ہے۔ مسلک حنفی ہیں۔ آپ عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵۳۷ پر فرماتے ہیں:

”طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، حجاج بن ارطاة رحمۃ اللہ علیہ، نخعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن مقاتل اور طاہر یہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو تین طلاق دے دے تو ایک واقع ہوگی۔“

(بحوالہ مقالات ص ۲۰)

مندرجہ بالا اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مایہ ناز شاگرد ہیں اور زبردست فقیہ تھے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور امام المغازی رحمۃ اللہ علیہ اور حجاج بن ارطاة رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے مشہور فقیہ تھے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں۔ (حوالہ ایضاً)

(۹) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ:

مشہور حنفی امام اپنی تصنیف ”در مختار“ ج ۲ ص ۱۰۵ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ:

صدر اول میں جب کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دیتا تو اس کے ایک ہونے کا فیصلہ دیا جاتا تھا، تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آ گیا۔ لوگ چونکہ کثرت سے اکٹھی تین طلاق دینے لگے تھے لہذا آپ رضی اللہ عنہ نے سیاسی طور پر تینوں کے تین ہی واقع ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

إِنَّهُ كَانَ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ إِذَا أُرْسِلَ الثَّلَاثُ جَمْلَةً لَمْ يَحْكَمْ إِلَّا بِوُقُوعِ وَاحِدَةٍ أَلَى زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ حَكَمَ بِوُقُوعِ الثَّلَاثِ سِيَاسَةً لِكَثْرَتِهِ بَيْنَ النَّاسِ.

(مقالات ص ۲۴)

(۱۰) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۵ھ):

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ”نیل الاوطار“ میں فرماتے ہیں کہ:

”اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق طلاق کے پیچھے واقع نہیں ہوتی، بلکہ صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، صاحب ”بحر“ نے اس کو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، اور ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے۔ طاؤس، عطاء، صابر بن یزید ہادی، قاسم ناصر احمد بن عیسیٰ عبد اللہ بن موسیٰ بن عبد اللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی ایک جماعت گئی ہے، جس میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے۔ ابن مغیث نے اپنی کتاب الوثائق میں محمد بن وضاح سے نقل کیا اور مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت جیسے محمد بن مقاتل و محمد بن عبد السلام وغیرہ نے ایسا ہی فتویٰ نقل کیا ہے اور ابن الممذر نے اس کو اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ یعنی عطاء رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، نیز ابن مغیث نے اسی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور امامیہ سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اکٹھی تین طلاق سے کچھ بھی واقع نہیں ہوتا نہ ایک طلاق اور نہ زیادہ (یعنی تین) بعض تابعین نے بھی ایسا کہا ہے۔ ابن عطیہ اور ہشام بن حکم سے روایت ہے کہ ابو عبیدہ اور بعض اہل ظاہر نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ یہ طلاق بدعی ہے اور بدعی طلاق خواہ ”تین طلاق“ یا ”طلاق طلاق“

طلاق“ کہا جائے، واقع نہیں ہوتی۔ باقرؒ صادقؒ اور جعفرؒ کا یہی مذہب ہے اور اصحاب عبداللہ بن عباسؒ اور اسحاق بن راہویہؒ سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اگر عورت مدخولہ ہے تو تین اور اگر غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق پڑے گی۔“
(نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۶)

(۱۱) عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محلی م ۱۳۰۲ھ):

ہندوستان کے مایہ ناز حنفی عالم، آپ اپنی تصنیف عمدۃ الراعیہ ج ۳ ص ۷۱ پر فرماتے ہیں:

”اور دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دے دے تب بھی ایک ہی پڑے گی۔ اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اس کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔“ (بحوالہ مقالات ص ۲۲، ۳۷)

(۱۲) نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۷ھ):

اپنی تصنیف ”الروضۃ الندیہ“ ص ۱۴۲ پر فرماتے ہیں:

وہذا مذہب ابن عباس و ابن اسحاق و عطاء و عکرمہ و اکثر اہل البیت و هذا اصح الاقوال۔
(یعنی تطلیق ثلاثہ کو ایک قرار دینا) ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن اسحاق رضی اللہ عنہ، عطاء عکرمہ اور اکثر اہل بیت کا ہے اور تمام اقوال میں یہی سب سے زیادہ صحیح ہے۔ (ایک مجلس کی تین طلاق ص ۶)

(۱۳) شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ):

مشہور حنفی محقق اور مورخ۔ آپ نے اپنی تصنیف ”الفاروق“ میں تطلیقات ثلاثہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات میں شمار کر کے یہ واضح کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے پہلے سہ طلاقیں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

”لیکن بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا اور وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمم جنابت، منع تمتع، طلاقات ثلاث وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔“ (الفاروق ص ۳۵۱)

شبلی نعمانی کے اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوں گی۔ ایک یہ کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔ دوسرا یہ کہ اختلاف کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف زیادہ صحیح ہے اور وہی حق پر ہیں۔

ان اقتباسات کی روشنی میں اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ قاری عبدالحفیظ صاحب اس مسئلہ کو اجماعی کہنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟

فیصلہ فاروقی سے اختلاف رکھنے والوں کا اجمالی ذکر:

اب ہم مندرجہ بالا اقتباسات کا خلاصہ ایک نئے انداز سے پیش کریں گے:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فیصلہ فاروقی سے اختلاف رکھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔

(اعلام الموقعین ص ۸۰۳)

(۲) تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں سے:

”عکرمہ رضی اللہ عنہ، طاؤس رضی اللہ عنہ (دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور نامور فقیہ) محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ (امام المغازی) حجاج بن ارطاة رضی اللہ عنہ (کوفہ کے نامور فقیہ) ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ (امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاد) محمد بن مقاتل رضی اللہ عنہ (امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام محمد رضی اللہ عنہ کے مایہ ناز شاگرد) جابر بن زید رضی اللہ عنہ، عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید) عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ، احمد بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ

فلاس اور اہل بیت، زید بن علیؑ، داؤد بن علیؑ اور ان کے اکثر ساتھی، قاسمؑ، ناصرؑ، امام باقرؑ اور جعفر صادقؑ۔

(۳) ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں مذکور ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے۔ دوسری یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی رجعی ہوتی ہے۔

(انامیۃ المہفان ص ۵۷ طبع مصر بحوالہ مقالات علمیہ ص ۱۱۲)

امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ رحمۃ اللہ علیہ:

بعض مالکی اور بعض حنفی بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا اپنا بھی ایک قول یہی ہے، مازری نے اپنی کتاب میں امام محمد بن مقاتل (حنفی) سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (مقالات ص ۹۱)

متاخرین میں سے:

امام ابن تیمیہؒ اور ان کے ساتھی آپ کے دادا احمد بن عبد السلام حرانیؒ بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

امام ابن قیمؒ اور ان کے ساتھی امام شوکانیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، علامہ رشید رضا مصنف تفسیر ”المنار“ ج ۹ ص ۱۸۳ (بحوالہ مقالات علمیہ) علامہ شیخ محمد شتوت۔ جامعہ ازہر مصر (الفتاویٰ ص ۳۰۶)

موجودہ دور کے علمائے احناف:

شبلی نعمانی، جنہوں نے ”الفاروق“ میں حضرت عمرؓ کے فیصلہ سے اختلاف رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

مولانا محفوظ الرحمن صاحب قاسمی فاضل دیوبند، مولانا شمس صاحب (سیکرٹری جماعت

اسلامی ملتان شہر) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی (مدیر ماہنامہ ”برہان“ دہلی) سید حامد علی صاحب (سیکرٹری جماعت اسلامی ہند) مفتی عتیق الرحمن صاحب (صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت) شرکائے سیمینار بمقام احمد آباد مطابق نومبر ۱۹۷۳ء بموضوع ”ایک مجلس کی تین طلاق“۔ ان سب حضرات نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی سفارش کی اور نہایت بالغ نظری سے اس موضوع پر مقالات لکھے اور پڑھے۔ یہ مقالات ”مجموعہ مقالات علمیہ۔ ایک مجلس کی تین طلاق“ کے نام سے نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور نے شائع کئے۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہری کا مقالہ بعنوان ”دعوت“ فکر و نظر میں انہی مقالات کے آخر میں شائع کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ جامعہ حنفیہ قاسمیہ لاہور و صدر علمائے احناف پاکستان۔ آپ علی الاطلاق ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہی واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ”ایک مجلس کی تین طلاق۔ علمائے احناف کی نظر میں۔“

(ص ۶ مطبوعہ دارالحدیث محمدیہ، عام خاص باغ ملتان شہر)

موجودہ دور میں تطلیق ثلاثہ کی قانونی حیثیت:

مندرجہ ذیل مسلمان ممالک میں ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک ہی رجعی طلاق شمار کرنے کا قانون نافذ کر دیا گیا ہے:

(۱) مصر ۱۹۲۹ء میں (۲) سوڈان ۱۹۳۵ء میں (۳) اردن ۱۹۵۱ء میں

(۴) مراکش ۱۹۵۸ء میں (۵) عراق ۱۹۵۹ء میں (۶) پاکستان ۱۹۶۲ء میں

ان تصریحات کی روشنی میں آپ خود ہی ملاحظہ فرمالیجئے کہ اس مسئلہ میں امت کے اجماع کا دعویٰ کس حد تک حقیقت پر مبنی ہے؟

(۴) متفرقات

سنت اور جائز کا مسئلہ

قاری صاحب فرماتے ہیں:

”نیز جس طرح متفرق طور پر دی گئی تین طلاقوں کے وقوع پر کسی کو اعتراض نہیں ہے اسی طرح ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع پر بھی کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی سنت اور جائز ہے۔“ (منہاج مذکور ص ۳۰۴)

اب دیکھئے جن لوگوں کو ایک مجلس کی تین طلاق کے بصورت تین واقع ہونے میں اعتراض ہے، ان کی تعداد کثیر ہے جسے ہم ”اجماع کی حقیقت“ کے تحت تفصیل سے بیان کر آئے ہیں، جس سے حقیقت حال کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عملی میدان میں بعض مقامات پر متعصب قسم کے حنفی حضرات اس ”اجماع“ کو انتشار قطع رحمی اور بایکاٹ کے ذریعہ زبردستی مسلمانوں پر ثابت کرنا اور ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ اسی اجماع کی آڑ میں اہلحدیثوں کو کافر قرار دینا، ان سے مقاطعہ کرنا اور انہیں مساجد سے نکال دینا تک روا رکھا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کے وقوع کے باوجود احناف کو اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا اور وہ بدستور ابھی تک اجماع کے دعویٰ کی رٹ لگا رہے ہیں۔

رہی یہ بات کہ ایک مجلس کی تین طلاق بھی سنت اور جائز ہیں تو اس سلسلہ میں ہماری گزارشات یہ ہیں کہ:

(۱) قاری صاحب خود حافظ بدرالدین عینی کے حوالے سے فرما رہے ہیں کہ ”جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی، لیکن طلاقیں دینے والا گنہگار ہوگا۔“

کیا یہ ممکن ہے کہ سنت اور جائز کام کرنے والا گنہگار ہو؟ بالفاظ دیگر اگر ایک مجلس میں تین طلاق دینا گناہ کا کام ہے تو یہ سنت اور جائز کیسے ہو سکتا ہے؟

(۲) اگر ایک مجلس میں تین طلاق دینا بھی سنت اور جائز ہے تو علماء و فقہائے احناف نے ایسی طلاق کو بدعی کا نام کیوں دیا ہے؟ (ملاحظہ ہو ہدایہ اولین، کتاب الطلاق، باب طلاق السنہ) کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی چیز بیک وقت سنت اور جائز بھی ہو اور بدعت اور کارِ معصیت بھی؟

مسلك کی حمایت:

قاری صاحب موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”فاضل مقالہ نگار مولانا عبدالرحمن کیلانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پرویز اور جعفر شاہ صاحب پھلواڑی کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے جب تطلق ثلاثہ کے موضوع پر پہنچے تو چونکہ یہ مسئلہ ان کے اپنے نظریہ اور عقیدہ نیز مسلک اہل حدیث کے خلاف تھا لہذا کیلانی صاحب نے اپنے مسلک کی حمایت کو مقدم سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر برس پڑے اور بیک جنبش قلم انہیں مخالف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ”ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی باک نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف تھا۔“

(منہاج مذکور ص ۳۰۲)

اس سلسلہ میں جو مجھ سے تسامح ہوا اس کا بھی اور جو قاری صاحب موصوف سے لغزش ہوئی اس کا بھی میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔ رہی مسلک کی حمایت کی بات تو چونکہ ہمارا مسلک کتاب و سنت کی حمایت اور دفاع ہے لہذا میں قاری صاحب کے اس طعنہ حمایت کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے۔ میرا اصل مضمون بعنوان ”خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شرعی تبدیلیاں“ دراصل میری اس مطبوعہ کتاب کا ایک باب ہے جس کا نام ”دفاع حدیث“ ہے جو آئینہ پرویزیت کا پانچواں حصہ ہے پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر حج تمتع کے مسئلے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سنت کی حمایت کرتے ہوئے اپنے باپ سے اختلاف کر

سکتے ہیں اور سائل کو یوں جواب دے سکتے ہیں کہ ”قابل قبول بات رسول اللہ ﷺ کی ہے نہ کہ میرے باپ کی“ (ترمذی، ابواب الحج باب ماجاء فی التمتع) تو کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کردار ہمارے لیے رہنمائی کا کام نہیں دے سکتا؟ اگر میں نے میں بائیس معاملات میں پرویز صاحب اور پھلوا ری صاحب کے اعتراضات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دامن کو پاک کیا ہے تو اگر مجھے کچھ راہ نظر آتی تو کیا میرے لیے یہ بات باعث سعادت نہ تھی کہ اس اعتراض کو بھی آپ رضی اللہ عنہ سے دور کر دیتا؟

پرویز صاحب اور پھلوا ری کا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تطلیق ثلاثہ کو نافذ کر کے دور نبوی اور صدیقی کے تعامل امت میں تبدیلی پیدا کر دی۔ اب قاری صاحب کے ”یہ بھی سنت اور جائز اور وہ بھی سنت اور جائز“ کہنے سے تو کام نہیں چلتا جب کہ شبلی نعمانی جیسے حنفی محقق اسے اولیات عمر رضی اللہ عنہ میں شمار کر کے اس تبدیلی کو تسلیم فرما رہے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کو اختلاف رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ”کم صحیح“ قرار دے رہے ہیں۔ اور پیر کرم شاہ ازہری صاحب کی تحریر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمال احترام کو ملحوظ رکھنے کے باوجود انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تبدیلی کی کوئی شرعی بنیاد نظر نہیں آتی۔ اسی طرح کے کئی دوسرے علماء کے اقتباس بھی ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔ پھر میں نے اگر اس تبدیلی کو ”اجتہادی غلطی“ کے تحت لا کر اسے کتاب و سنت کی منشا کے خلاف لکھ دیا تو کون سی نئی بات کہہ ڈالی ہے جسے حنفی علماء تسلیم نہیں کرتے؟

مزید برآں اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تبدیلی کو درست قرار دینے کے درپے ہو جائیں تو اس سے ایک ایسے مفسدہ کی طرف راہ کھلتی ہے جس کی طرف یہ حضرات ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ یعنی ہمیں بھی یہ حق ہونا چاہئے کہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق سنت رسول ﷺ میں حسب ضرورت تبدیلیاں کر لیا کریں۔ لہذا راہ صواب یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تبدیلی کو کم صحیح یا کتاب و سنت کی منشا کے خلاف قرار دے کر آئندہ کے لیے اس مفسدہ کی راہ بند کر دی جائے۔ ویسے بھی ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ ”تبدیلی“ ایک تعزیری حکم تھا۔

اب مسلک کی حمایت کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے اور وہ یہ ہے کہ قاری صاحب موصوف جس بات کا مجھے طعنہ دے رہے ہیں کیا ان کا اپنا دامن اس سے بچا ہوا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ قاری صاحب ایک مجلس کی تین طلاق کے تین واقع ہونے کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قیاس ہے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے یا مسلک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک میں اختلاف ہوگا، تو احناف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو کبھی درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کو قبول کریں گے اور اسی کی تائید کریں گے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مسلمانوں کو حج تمتع سے روکتے تھے۔ (مسلم کتاب الحج) جبکہ احناف حج تمتع کو جائز ہی نہیں، بلکہ بہتر سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں دعائے افتتاح بلند آواز سے پڑھنے کے قائل تھے اور کبھی کبھی پڑھا بھی کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب من قال لا ینبجر بالبسملة) مگر احناف اسے درست نہیں سمجھتے۔ ان مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قاری صاحب موصوف حضرت عمر کی آڑ میں حقیقتاً اپنے ہی مسلک کی حمایت فرما رہے ہیں۔

تقلید کی برکات:

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں آج تک جو اختلاف چلا آ رہا ہے، اور یہ اختلاف آئندہ بھی ختم ہوتا نظر نہیں آتا، تو اس کی اصل وجہ محض تقلید ہے۔ یہ تقلید ہی کے کرشمے ہیں کہ کتاب و سنت کے اتنے واضح اور صحیح دلائل کے باوجود آج تک یہ مسئلہ اختلافی ہی بنا ہوا ہے۔ اور اگر کوئی صاحب ذرا بالغ نظری سے کام لیں تو انہیں تقلید چھوڑنے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور ”تمسک بالتقلید“ کی تلقین کی جاتی ہے۔

تطبیق ثلاثہ کے موضوع پر احمد نگر میں جو سیمینار منعقد ہوا، اس میں مولانا سید احمد صاحب عروج قادری مدیر ماہنامہ ”زندگی“ (رام پور) نے اس مسئلہ میں صرف اتنی چٹک دکھائی کہ ”جو شخص تین طلاقیں ایک ہی دفعہ دے دے، مگر بعد میں یہ کہہ دے کہ اس کی نیت

صرف ایک کی تھی اور باقی الفاظ تاکید تھے یا وہ شخص یہ کہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ جب تک تین طلاق کا لفظ استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، تو ان صورتوں میں طلاق ایک ہی شمار کی جانی چاہئے۔ اور اگر اس کی نیت بھی فی الواقع تین کی ہی تھی تو پھر تین طلاقیں کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں، اور یہ ایسی بات تھی جس کے لیے فقہ حنفی میں گنجائش بھی موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود جناب عامر عثمانی صاحب مدیر (ماہنامہ ”تجلی“ دیوبند) نے عروج صاحب پر شدید گرفت کی اور فرمایا کہ ”لوگوں کا جہل کسی فعل کی تاثیر میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ جیسے اگر کوئی شخص بھولے سے بھری ہوئی بندوق داغ دے اور گولی کسی انسان کے سینے میں لگ جائے تو وہ زخمی ہو ہی جائے گا۔ بھولے سے داغی ہوئی گولی بے اثر نہیں رہے گی۔“ (مقالات ص ۱۸۷)

طلاق یا بندوق کی گولی؟

اس کے جواب میں عروج قادری صاحب نے جو مضمون لکھا اس کا عنوان ”طلاق بندوق کی گولی نہیں ہے“ تجویز فرمایا اور کئی مثالوں سے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ فی الواقع طلاق بندوق کی گولی نہیں۔ اس مضمون کا آخری پیرا قابل ملاحظہ ہے۔ عروج قادری صاحب عامر عثمانی صاحب سے فرماتے ہیں:

تواصوا بالتقلید:

”جب آپ نے مجھے تقلید کو دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دیا تھا اور اپنی تقلید پسندی کا اقرار کیا تھا تو میں نے ہنستے ہوئے عرض کیا تھا کہ آپ کسی مسئلے میں تو مقلد جامد بن جاتے ہیں اور کسی میں مجتہد مطلق۔ اب مزید عرض کرتا ہوں، اگر میں تقلید کو دانتوں سے پکڑے رہتا تو مسلم شریف کی روایت پر وہ مقالہ کبھی تیار نہ ہوتا جس کو آپ نے بھی ”بہت اچھا“ کہا ہے اور آپ خود تقلید کو دانتوں سے نہ چھوڑتے تو طلاق نمبر مرتب نہ ہوتا۔“

(مقالات صفحہ ۱۲۳)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم حضرات کو اگرچہ کسی اشد ضرورت کے تحت

تقلید کے سلسلہ میں نرمی اختیار کرنا پڑتی ہے، لیکن اس کے باوجود ”علیکم بالتقلید“ کی تلقین کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں اور چلک پیدا کرنے پر ارباب تقلید کی طرف سے محاسبہ بھی کیا جاتا ہے۔ جہاں تقلیدی تعصب کا یہ حال ہو کہ صحیح احادیث کو تسلیم کر لینے کی بجائے اس کی تاویلات اور جوابات تلاش کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو کھپایا جا رہا ہو وہاں کبھی مسائل کا اختلاف ختم ہو سکتا ہے؟

کچھ آپس کی باتیں

(۱) اختلاف کا اعتراف:

جناب عامر عثمانی مد ”تجلی“ دیوبند، جناب مولانا سید احمد عروج قادری مد ”زندگی“ رام پور سے مخاطب ہیں ”مدیر زندگی کا اجماع پر شبہ ظاہر کرنا معقولیت کے خلاف نہیں ہے“ کیونکہ وہ بجا طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے اہل علم اپنی کتابوں میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہی آ رہے ہیں اور علمائے خلف کی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ واقعی ایسی صورت میں یہ سمجھنا ہی چاہئے کہ یہ مسئلہ کسی درجے میں اختلافی ہے لیکن ہم نے انہیں (یعنی عوام الناس کو - مولف) بتایا کہ یہ فتنے اور اختلاف کا بیج دراصل خوارج اور روافض کا بویا ہوا ہے۔ دس بارہ نام جو بعض کتابوں میں اختلاف کرنے والوں کے درج ہو گئے ہیں وہ سب دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے ان میں تو کسی ایک کی طرف بھی اختلاف کی نسبت کذب و افتراء کے سوا کچھ نہیں، سفید جھوٹ ہے۔ باقی ناموں میں اکثریت ان کی ہے جو اجتہاد و فقہ کے بازار میں پھوٹی کوڑی کی بھی قیمت نہیں رکھتے۔ رہے ایک دودھ نام جن کی کوئی اہمیت ہے، تو ان کی طرف اختلاف کی نسبت ہی درست نہیں۔ قوی سندوں سے نقل کا کہیں پتا نہیں۔ البتہ اجماع ثابت کرنے والی نقلیں قوی تر ہیں اور کثیر سندوں سے مروی ہیں، جنہیں جھٹلانا کسی واقف فن کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔“

یہ تحریر جناب عامر عثمانی صاحب کی ہے جو نہایت متعصب حنفی ہیں لہذا

۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

کے مصداق اس تحریر سے درج ذیل امور کھل کر سامنے آ گئے ہیں:

(۱) اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا ٹھیک ٹھیک علم احناف کو بھی ہے اور ابتدا سے ہے اس کے باوجود مسلک کی حمایت کی خاطر اجماع کا ڈھونگ رچایا گیا ہے اور اس اجماع کو ثابت کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۲) ہمارے قاری صاحب نے بھی فرمایا تھا کہ یہ مسئلہ ضروریات شیعہ سے ہے۔ عامر صاحب نے یہ بھانڈا ہی پھوڑ دیا اور یوں وضاحت فرمائی کہ ”ہم نے انہیں بتایا کہ یہ فتنے اور اختلاف کا بیج دراصل خوارج اور روافض کا بویا ہوا ہے“

(۳) اس اقتباس میں عامر صاحب نے یہ اعتراف بھی فرمالیا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس فیصلہ سے اختلاف رکھتے تھے، لیکن ہماری پالیسی یہ رہی ہے کہ جہاں تک اس حقیقت پر مٹی ڈالی جاسکتی ہے، ڈالی جائے۔

(۴) قاری صاحب یہ بھی فرما رہے تھے کہ اہلحدیثوں نے یہ مسئلہ شیعہ حضرات سے لیا ہے۔ اب عامر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اختیار کیے ہوئے تھے۔ تو کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ مسئلہ شیعہ حضرات سے ہی لیا تھا، جواب اہل حدیثوں پر یہ الزام لگانا ضروری ہے؟

(۲) طلاقوں کے درمیان وقفہ:

جناب محفوظ الرحمن صاحب قاسمی فاضل دیوبند، جناب عامر عثمانی مدیر ”تجلی“ دیوبند سے مخاطب ہیں:

”یہی باتیں (یعنی متفرق طور پر طلاق دینا منشاء خداوندی و مقتضائے قرآن کریم ہے) سینکڑوں برس سے احناف کے چوٹی کے علماء لکھتے آ رہے ہیں اور ان میں یہ بات مسلمہ تھی۔ کیونکہ مقصد امام شافعی رحمہ اللہ کا رد تھا۔ اب جب کہ یہی استدلال ان لوگوں کے

حق میں جا رہا ہے جو تین کو الگ الگ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیک کلمہ تین طلاقیں کم سے کم تین نہیں سمجھی جائیں گی کیونکہ یہ تین مرتبہ واقع نہیں کی گئی ہیں، تو اب مولانا عامر عثمانی صاحب احناف کی ان متفقہ تصریحوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اصرار کر رہے ہیں کہ ان بزرگوں نے جو سمجھا، غلط سمجھا۔ یہاں بھی یہ ”اشنین“ ہی کے معنی میں ہے سوال یہ ہے کہ اگر اس کا احتمال تھا کہ ”مرتبان“ یہاں ”اشنین“ کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، تو آخر ”اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“ کے باوجود محققین احناف کیوں کہتے چلے آ رہے ہیں کہ مرتبان ”اشنین“ کے معنی میں نہیں ہے۔“ (مقالات ص ۱۹۶)

یہ اقتباس احناف کے سلف و خلف دونوں کے طریق کار، طرز استدلال اور مسلکی تعصب پر پوری طرح روشنی ڈال رہا ہے یعنی ان حضرات کو حقیقت تک پہنچنے اور اسے قبول کرنے سے غرض نہیں ہوتی، بلکہ ان کا اصل ہدف اپنے مخالف کے خلاف مجاذ آرائی قائم کرنا ہوتا ہے اور ان کے نزدیک حالات کی تبدیلی کے ساتھ طرز استدلال کے بدل لینے میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

دوسرے مسلک پر عمل:

میں نے لکھا تھا ”چونکہ یہ فتویٰ (یک بارگی تین طلاق کو تین ہی شمار کرنا) انسانی فطرت کے خلاف ہے اور اس کے مفاسد بے شمار ہیں، لہذا احناف کا ایک کثیر طبقہ امام صاحب کے اس فتویٰ سے متفق نہیں ہے وہ مالکیہ کے مطابق اسے ایک ہی طلاق قرار دیتے ہیں“ اس پر قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ”فاضل مولف کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احناف کا کثیر طبقہ امام صاحب کے اس فتویٰ سے متفق ہے اور امام مالک تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیتے۔“

اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ اگر میں اکثر کالفاظ استعمال کرتا تو واقعی اس سے یہ مفہوم پیدا ہو سکتا تھا کہ تھوڑے خفی ہیں جو امام صاحب کے اس فتویٰ سے اتفاق رکھتے ہیں اور زیادہ مخالف ہیں، لیکن فی الواقع یہ صورت نہیں۔ قلت اور کثرت تعداد کا لحاظ رکھا جائے تو فی

الواقع اکثریت امام صاحب کے فتویٰ سے اتفاق رکھتی ہے۔ میں نے کثیر کا لفظ ”بہت“ یا ”بہت سے“ کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور میرے خیال میں جس قدر نام میں نے ”اجماع کی حقیقت“ میں خفی علماء کے گنوا دیئے ہیں ان پر بھی ”ایک کثیر طبقہ“ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ علماء عام انسان نہیں بلکہ ان کا اپنا بھی وسیع حلقہ اثر ہے۔

ربانقہ مالکی کے مطابق فتویٰ دینے کا معاملہ تو علمائے احناف سفارش یہ کرتے ہیں کہ جس طرح احناف مفقود الخمر اور عدت ممتدة الطهر کے مسائل میں فقہ مالکیہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اسی طرح اگر وہ اس تطبیق تلاش کے مسئلے میں بھی امام صاحب کی تقلید سے ہٹ کر کسی دوسرے مسلک کے مطابق فتویٰ دے دیں تو خفی مذہب میں اتنا توسع موجود ہے۔ ایسا مشورہ دینے والے حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی اس مسئلہ میں ترک تقلید امام اعظم کی رخصت دیتے ہیں جیسا کہ مفقود الخمر اور عدت ممتدة الطهر کے مسائل میں احناف فقہ مالکیہ کے مطابق فتویٰ دینا جائز قرار دیتے ہیں۔

(مجموعہ فتاویٰ ص ۳۷۷)

(۱) مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی (۲) مولانا محمد عبدالحلیم قاسمی صدر علمائے احناف پاکستان (۳) مفتی حبیب الرحمن مدرسہ امینیہ دہلی (۴) مولانا محفوظ الرحمن صاحب قاسمی فاضل دیوبند (۵) پیر کرم شاہ صاحب ازہری (مدیر ماہنامہ ”ضیائے حرم“ بھیرہ رکن اسلامی نظریاتی کونسل اور رویت ہلال کمیٹی) نیز احمد نگر میں منعقد شدہ سیمینار میں شرکت کرنے والے اکثر مقالہ نگار حضرات۔

البتہ قاری صاحب کی یہ بات درست ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیتے۔ میں دراصل کہنا یہ چاہتا تھا کہ جس طرح بعض مسائل میں احناف فقہ مالکیہ کے مطابق فتویٰ دینے کو درست کہتے ہیں اسی طرح بعض احناف اس مسئلہ میں بھی ایک طلاق شمار کرنے والے مسلک کی سفارش کرتے ہیں۔

افسوس ناک پہلو:

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تطلق ثلاثہ کا قانون نافذ فرمایا تھا تو اس سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد عوام الناس کی اصلاح تھی۔ اس قانون کا ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ لوگ حلالہ کے متعلق سوچ و بچار کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرا قانون یہ رائج فرمایا کہ محمل اور محملہ دونوں کو محض زانی قرار دے کر ان کو سنگسار کر دینے کی سزا مقرر کی۔ اس فاروقی درہ سے بہت حد تک لوگوں کی اصلاح ہو گئی، مگر بعد کے ادوار میں جب فاروقی درہ نہ رہا تو پھر حلالہ کی طرف رجحان بڑھنے لگا۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے اکثریتی اجتہاد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری قانون کو ایک شرعی مسئلہ بنا دیا اور تقلید کی روش نے اسے شہرت دوام عطا کی۔ دوسری طرف امت کا ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو ابتدا ہی سے اکٹھی تین طلاق کو تین طلاق دینے والے کی حماقت، جلد بازی اور عصبانیت پر محمول کرنے کے باوجود اسے ایک ہی رجعی طلاق قرار دیتا۔ ہمارے ہاں یہ دونوں گروہ موجود ہیں، اگرچہ اکثریت احناف کی ہے جو تطلق ثلاثہ کے بڑی شدت سے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں خاصی کشیدگی بھی موجود ہے اب یہ بات بھی تقلید ہی کے ثمرات میں شمار کیجئے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر بعد میں پشیمان ہوتا ہے تو علمائے احناف اسے خود حلالہ کا راستہ دکھاتے ہیں۔ وہی حلالہ جس کے کرنے اور کرانے والے دونوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی تھی۔ وہی حلالہ نکالنے والا شخص جسے آپ ﷺ نے ”تیس مستعار“ (یعنی کرایہ کے سائڈ) سے تعبیر فرمایا تھا۔ وہی حلالہ جس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سزا مقرر کی تھی۔ وہی حلالہ جو کسی بھی غیرت مند مسلمان کی غیرت کا جنازہ نکال دیتا ہے۔ اور وہی حلالہ جس کی زد میں آ کر کئی عورتیں ہمیشہ کے لیے حیا باختہ ہو جاتی ہیں۔ اسی حلالہ کو ہمارے مقلد بھائیوں نے نہ صرف برداشت کیا بلکہ ”هَبْنَا مَرِيئًا“ سمجھ کر اور اس کے فتوے دے دے کر ”عند اللہ ماجور“ بھی ہونے لگے۔ حتیٰ کہ اس کا حرام کو حلال بنانے کے شرعی حیلے بھی بتانے لگے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا رہا کہ کہیں تقلید کی روش پر آٹھ نہ آنے پائے یا کسی حنفی کو کسی اہل حدیث کی

طرف رجوع کرنے کی احتیاج باقی نہ رہے۔ اور انتہائی شرم ناک پہلو یہ ہے کہ بعض مقامات پر ایسے کرایہ کے سائڈوں کا مذہبی سطح پر بندوبست بھی کیا جانے لگا اور یہ بھی نہ سوچا کہ خود علمائے احناف اگر تطلق ثلاثہ کے قائل ہیں تو بالکل اسی طرح وہ نکاح حلالہ کی حرمت کے بھی قائل ہیں۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر حلالہ کا نکاح ہی حرام اور باطل ہو تو حلالہ کے بعد عورت زوج اول کے لیے حلال کیسے ہو جاتی ہے؟ اور اگر وہ ایسا کر بھی لیتے ہیں تو کیا یہ سب کچھ حرام کاری یا زنا ہی نہ ہوگا؟ پھر کیا اس حرام کاری سے وہ صورت بہتر نہیں جس میں حلالہ کے بغیر ہی عورت اور زوج اول آپس میں مل بیٹھیں اور جس سے زوجین کی غیرت بھی مجروح نہیں ہوتی؟ یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری اور وقتی قانون کو تقلید کی پاسداری کے لیے شرعی قانون بنا کر پیش کرنے کے نتائج!

اختلاف ختم نہ ہونے کی وجہ محض تقلید ہے:

تطلاق ثلاثہ کے سلسلہ میں کسی بھی دوسرے امام سے فتویٰ لینے سے متعلق چند ممتاز حنفی علمائے دین کے فتوے ملاحظہ فرمائیے:

(۱) مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محل) کا فتویٰ:

”اس صورت میں حنفیہ کے مطابق تین طلاق ہوگی اور بغیر تحلیل نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی نکاح ”زوج مفقود الخمر“ موجود ہے۔ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کر لینے کو درست سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ”رد المحتار“ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔“

(۲) مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بعض علماء اس بات کے ضرور قائل ہیں

کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، طاؤس رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ اور ابن اسحاق رضی اللہ عنہ نے منقول ہے۔ پس کسی اہل حدیث عالم کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ ہی وہ مستحق اخراج از مسجد ہے۔ ہاں حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بہ اعتبار تقویٰ ناجائز تھا۔ لیکن وہ بھی اگر مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو تو قابل درگزر ہے۔“

(۳) مفتی حبیب المرسلین مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ:

”بعض سلف صالحین اور علماء متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں اگرچہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم میں یہ بعض نہیں ہیں۔ لہذا جن مولوی صاحب نے مفتی اہل حدیث پر جو فتویٰ دیا یہ غلط ہے۔ اس اختلاف کی بنا پر کفر و مقاطعہ، اخراج از مسجد کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوف مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک طلاق ایک ہی واقعہ ہوتی ہے تو خارج از حنفی مذہب نہ ہوگا۔ کیوں کہ فقہاء حنفیہ نے شدت ضرورت کے وقت دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے۔“

(مقالات ص ۳۰۳۱)

مندرجہ بالا فتاویٰ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱) یہ سب حضرات حنفی مذہب سے خارج ہونے کو اسلام سے خارج ہونے کے مترادف نہیں سمجھتے۔

(۲) چونکہ رد المحتار میں ”اشد ضرورت“ ”مفاسد زائدہ“ وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں لہذا مفتی صاحب کو ان الفاظ کی تاکید کے ساتھ ہی کسی دوسرے عالم سے فتویٰ لینے کی اجازت ہے۔

(۳) اس خاص مسئلہ میں کسی دوسرے عالم سے مراد کم از کم ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے مقلدین نہیں ہو سکتے، جن سے فتویٰ لینے اور اس پر عمل کرنے، یعنی طلاق علائقہ کو رجعی طلاق قرار

دینے کی اجازت دی جا رہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ حضرات تطلق ثلاثہ کو ایک قرار دینے کے عمل کو شرعی سمجھتے ہیں یا غیر شرعی؟ اگر وہ ایک رجعی طلاق قرار دینے کو فی الواقع اور بصدق قلب غیر شرعی ہی سمجھتے ہیں تو کیا وہ اشد ضرورت یا مفاسد زائدہ سے بچنے کے لیے نعوذ باللہ زنا کی اجازت دیتے ہیں؟ مفاسد زائدہ زیادہ سے زیادہ تو زنا ہی ہو سکتا ہے۔ زنا سے بچنے کے لیے زنا کی اجازت کا مطلب؟ اور اگر وہ اسے شرعی ہی سمجھتے ہیں خواہ وہ اسے رائج نہ سمجھیں، مرجوح ہی سمجھیں، تو پھر اس قدر چیں بہ جیں کیوں ہو جاتے ہیں؟ اگر غور کیا جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جو ان حضرات کو یہ بات تسلیم کر لینے میں آڑے آرہی ہے، تو جواب بالکل واضح ہے کہ یہ چیز تقلید ہے۔ جو یہ جاننے کے باوجود کہ:

(۱) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی موقف تھا۔

(۲) قرآن کا انداز بیان اسی چیز کا مؤید ہے کہ طلاق یا طلاقوں کے بعد ”فَامْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ“ کی گنجائش باقی رہے۔

(۳) صحیح احادیث سے تین طلاقوں کو ایک بنادینے کی پوری وضاحت موجود ہے اور دور فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک تعامل امت یہی تھا۔

(۴) معاشرتی لحاظ سے بھی اور اخلاقی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے لہذا فقہی اصول استحسان اور مصالح مرسلہ کی رو سے بھی تین طلاق کو ایک ہی قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔

افسوس، مقلدین حضرات کو بہتر رستہ قبول کرنے میں یہی تقلید روگ بنی ہوئی ہے، بلکہ ان حضرات نے تطلق ثلاثہ کے مخالفین کو اپنا دشمن اور کافر سمجھ کر اس مسئلہ کو یوں الجھا رکھا ہے کہ یہ اختلاف ختم ہونا ناممکن سی بات بن گئی ہے۔

ایک مجلس میں تین طلاق دینے والے کو سزا:

ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ شدت

غضب سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”میری موجودگی میں کتاب اللہ سے یہ مذاق؟“ آپ ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک شخص اجازت مانگنے لگا کہ ”میں اس مجرم کو قتل نہ کر دوں؟“ آپ ﷺ نے ازراہ شفقت اس مجرم کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی، تاہم اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعی نقطہ نظر سے کتنا بڑا گناہ اور مکروہ فعل ہے۔ مگر دور جاہلیت کی یہ عادت رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جلد ہی پھر عود کر آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے اس بد عادت کو چھڑانے کیلئے تین طرح کے اقدامات کیے:

- (۱) آپ ﷺ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کو بدنی سزا بھی دیتے تھے۔
- (۲) ایک مجلس کی تین طلاق کو آپ ﷺ نے تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کر دیا۔
- (۳) اور جب لوگوں نے اپنی عادت پر کنٹرول کے بجائے حلالہ کی باتیں شروع کر دیں تو آپ ﷺ نے حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے دونوں کیلئے رجم کی سزا مقرر کر دی۔ اس طرح یہ فتنہ کچھ مدت کے لیے دب گیا۔ گویا دور فاروقی میں بھی اس کارِ معصیت کی اصلاح صرف اس صورت میں ہوئی کہ حلالہ کے دروازہ کو سختی سے بند کر دیا گیا تھا۔

مگر آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ مقلد حضرات ہوں یا غیر مقلد کوئی بھی اکٹھی تین طلاق کو جرم سمجھتا ہی نہیں۔ بلکہ جہالت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ عوام تو درکنار خواص بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جدائی کے لیے تین طلاقیں دینا ضروری ہے۔ حالانکہ طلاق کی بہترین اور مسنون صورت یہی ہے کہ صرف ایک ہی طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے، تاکہ عدت گزرنے کے بعد اگر زوجین کی پھر خواہش ہو تو تجدید نکاح سے مسئلہ حل ہو جائے۔ تاہم اگر بیوی سے اس قدر نفرت اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہو اور وہ تازیست اپنی بیوی کو رشتہ زوجیت میں نہ لینے کا فیصلہ کر چکا ہو، تو پھر تین کا عدد پورا کر کے اپنی حسرت پوری کر لے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دیتا جائے، تیسری طلاق کے بعد ان کے آئندہ ملاپ کی ”حتیٰ تسکح زوجاً غیرہ“ کے علاوہ کوئی

باقی نہ رہے گی جو اتفاقی ہوگی نہ کہ منصوبہ بندی کے تحت!

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کا المیہ یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاق کو نہ مقلدین نا جائز اور کار معصیت سمجھتے ہیں اور نہ غیر مقلد۔ غیر مقلد ایسے شخص کو اگر طلاق رجعی کی راہ دکھادیں تو اسے یہ کیوں کر معلوم ہو کہ اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ اور مقلد حضرات محض اس خطرہ سے بچنے کے لیے کہ کہیں یہ کسی اہل حدیث کے ہتھے نہ چڑھ جائے، اسے حلالہ کی راہ دکھادیں تو بھی اس کا الو تو سیدھا ہو ہی جائے گا۔ آخر اسے اپنے جرم کی کیا سزا ملی؟ حالانکہ ہمارے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصل سنت یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے والے کو سزا ضرور دی جانی چاہیے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس سنت کو نہ مقلد حضرات درخور اعتناء سمجھتے ہیں نہ اہل حدیث حضرات۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ علماء کی اس بے حسی کے بعد اہل حدیث تو مجرم کو سنت کی راہ دکھلاتے ہیں، جبکہ حنفی حضرات کا حرام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں!

سزا کا مستوجب کون؟

اس معاملہ کا ایک اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بیک مجلس تین طلاق دینے کا جرم تو مرد کرتا ہے لیکن اس کے جرم کی سزا نکاح حلالہ کی صورت میں عورت کو دی جاتی ہے۔ مرد کو تو اہل علم و فتویٰ سرزنش تک کرنے کے روادار نہیں ہوتے، مگر بیوی کو کسی کرایہ کے ساٹھ کے ہاں شب ب سری کی راہ دکھائی جاتی ہے۔ ”کرے کوئی اور بھرے کوئی“ کی اس سے زیادہ واضح اور کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ اس بے بس عورت نے اس ظلم و زیادتی کا اپنے خاوند سے اور اپنے رشتہ داروں سے یوں انتقام لیا کہ رات ہی رات میں حلالہ نکالنے والے مرد سے سیٹ ہو گئی اور اس نئے جوڑے نے عہد و پیمان کے ذریعہ اپنے رات ہی رات کے نکاح کو پائیدار کر لیا اور حلالہ نکلوانے والوں کی سب امیدیں خاک میں ملا دیں۔ ایسے واقعات آئے دن اخبارات و رسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔

ایک ایسا واقعہ میں ذاتی طور پر بھی جانتا ہوں۔ ہوا یہ کہ کسی تاجر کی لڑکی کو اس کے خاوند

نے تین طلاق دے دیں۔ اب حلالہ کی ضرورت پیش آئی تو تاجر اور اس کے داماد (لڑکی کو طلاق دینے والے خاوند) نے حلالہ کے لیے تاجر کے ایک بااعتماد نوکر کا انتخاب کیا اور نکاح کر دیا۔ لڑکی کی غیرت اس گھناؤنے فعل کو برداشت نہ کر سکی، جب رات اکٹھے ہوئے تو اس نے اپنے ملازم کا حوصلہ بڑھایا اور اس بات پر قائم کر دیا کہ اب وہ طلاق نہ دے گا۔ جب صبح ہوئی تو وہی شخص جو کل تک ان کا بااعتماد نوکر تھا، ان کا داماد اور شریک بن کر سامنے آ گیا اور اس کی بیوی اس کی حمایت میں تھی۔ خاوند اور باپ کو بہر حال یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔ اندریں صورت ہمارے خیال میں بیک وقت تین طلاق دینے والے شخص کے لیے کچھ نہ کچھ سزا ضرور تجویز کی جانی چاہئے۔

سزا کیا ہو؟

میرے خیال میں یک بارگی تین طلاق کی سزا کو ظہار کی سزا یا کفارہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ دور جاہلیت میں ظہار جدائی کی تمام اقسام میں سے سخت تر قسم سمجھی جاتی تھی۔ پھر جب عہد نبوی ﷺ میں ایسا ایک واقعہ رونما ہوا اور میاں بیوی دونوں کی جان پر بن گئی اور وہ عورت شکوہ کناں آپ ﷺ کے پاس آ کر اس مصیبت سے نجات کی راہ پانے کے لیے آپ ﷺ سے بھگڑا کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے زوجین کی مشکلات کا حل فرمادیا۔ جو یہ تھا کہ اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے چونکہ فی الحقیقت وہ ماں نہیں بن جاتی لہذا اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ”مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُورًا“ (ناپسند اور انہونی بات) قرار دے کر اس کا کفارہ مقرر فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ضمنیہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ فی نفسہ الفاظ میں کچھ تاثیر نہیں ہوتی، بلکہ الفاظ میں تاثیر شرعی احکام سے ہی پیدا ہوتی ہے اور شرعی احکام سے ہی یہ تاثیر خارج یا ختم بھی ہو جاتی ہے۔ لہذا طلاق کے لفظ یا تین طلاق کے الفاظ کی تاثیر کا پتہ چلانے کے لیے شرعی حکم یا سنت نبوی ﷺ کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ فی نفسہ تین طلاق کے الفاظ بندوق کی گولی نہیں ہوتے!

ہاں تو بات یہ چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ”منکر“ اور ”زور“ بات کا کفارہ مقرر کر

کے زوجین میں رشتہ زوجیت کو بحال رہنے دیا، اور یہ کفارہ مردہی کو ادا کرنا ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاق بھی ایک ”منکر“ اور ”زور“ بات ہے اور دونوں کا نتیجہ زوجین میں جدائی ہے۔ پھر کیا زوجین کے تعلقات کو شرعی حکم یا دور نبوی ﷺ کے تعامل کے مطابق بدستور بحال رکھنے (یعنی اسے ایک رجعی طلاق قرار دینے پر) کفارہ کی ضرورت نہ ہوگی؟ دور نبوی میں یہ جرم چونکہ محدود پیمانہ پر تھا لہذا رسول اللہ ﷺ نے ازراہ شفقت اس کا کوئی کفارہ مقرر نہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ جرم بکثرت وقوع پذیر ہونے لگا تو آپ ﷺ ایسے شخص کی تین طلاق شمار کرنے کے علاوہ اسے بدنی سزا بھی دیتے اور حلالہ کی راہ بھی مسدود کر دیتے تھے۔ آج جب کہ لوگوں کا مبلغ علم ہی یہ ہے کہ جب تک تین طلاق نہ دی جائیں طلاق واقع ہی نہیں ہوتی اور بالعموم لکھ کر اکٹھی تین طلاقیں سپرد ڈاک کر دی جاتی ہیں تو اس پھیلے ہوئے جرم کی روک تھام کے لیے اگر ہمارے مفتی حضرات بدنی سزا نہیں دے سکتے یا قانوناً حلالہ کو زنا قرار دے کر اس کی سزا نہیں دے سکتے تو کم از کم کفارہ تو تجویز فرما سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان دونوں اقسام جدائی (یعنی بذریعہ ظہار اور بذریعہ ایک مجلس کی تین طلاق) میں کئی طرح سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا اس کا کفارہ ظہار کے مطابق ہونا چاہیے۔ یعنی غلام آزاد کرنا یا متواتر دو ماہ کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ آج کل غلامی کا دور بیت چکا لہذا یہ شق خارج از بحث ہے۔ پھر آج کل افراط زر کی وجہ سے اکثر لوگوں کے لیے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی سزا کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اندریں صورت میرے خیال میں متواتر دو ماہ روزے فی الحقیقت ایسا کفارہ ہے جس سے مجرم کو بھی اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ایک آدمی کو بھی ایسی سزا مل جائے تو عوام الناس کو یقیناً اس بات کا فوری طور پر علم ہو جائے گا کہ بیک وقت تین طلاق دینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ شرعی طریقہ طلاق سیکھ کر اسے اپنائیں گے اور نکاح حلالہ کی از خود حوصلہ شکنی ہوتی جائے گی۔

معصیت کو قائم رکھنا بھی معصیت ہے:

اگر ایک مجلس کی تین طلاق کا کفارہ متواتر دو ماہ کے روزے دشوار سمجھے جائیں تو پھر کم تر درجہ کی سزا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جرم کو غیر شرعی نذر پر محمول کر کے قسم کے کفارہ پر اکتفا کر لیا جائے جو ظہار کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزا ہے۔ بہر حال جو بھی صورت ہو ایسی طلاقیں دینے والے کیلئے کچھ سزا ضرور ہونی چاہیے۔ اگر سزا مقرر نہ کی جائے گی تو عوام میں یہ احساس کبھی پیدا نہ ہو سکے گا کہ ایسی طلاقیں دینا کار معصیت ہے لہذا علماء اور مفتی حضرات کو اس طرف خصوصی توجہ دینا چاہیے۔ اور یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ خاموشی اور بے حسی کے ذریعہ معصیت کو قائم رکھنا یا رہنے دینا بھی کار معصیت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ندامت؟

اپنے مضمون کے آخر میں میں نے اغاثۃ اللفہان کے حوالہ سے لکھا تھا کہ حضرت عمرؓ کو آخر عمر میں اس تعزیری فیصلے پر ندامت بھی ہوئی۔ جس کے جواب میں قاری صاحب موصوف فرما رہے ہیں کہ اس روایت میں ایک راوی خالد بن یزید کذاب ہے لہذا یہ روایت ناقابل احتجاج ہے قاری صاحب کی یہ تحقیق سر آنکھوں پر ہمیں اس روایت کو درست ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ کیوں کہ مسئلہ زیر بحث کے اثبات کے لیے کتاب و سنت میں بہت کافی مواد موجود ہے جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

تطبیق ثلاثہ کے سلسلہ میں ایک سوال اور اس کا جواب:

جناب محمد سمیع الدین صاحب کراچی سے لکھتے ہیں۔

”ایک عام غلط فہمی ہے براہ مہربانی دور فرمائیے، ممنون ہوں گا

ایک شخص کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، لیکن ایک ماہ بعد (ایام عدت ہی میں) رجوع کر لیتا ہے۔ تقریباً ایک سال بعد پھر کچھ ان بن ہو جاتی ہے اور طلاق دے بیٹھتا ہے، لیکن چھ ماہ بعد (ایام عدت کے بعد) اس سے تجدید نکاح کر لیتا ہے۔ پھر کئی سال

اچھے گزار کر طلاق کی نوبت آ جاتی ہے۔

بہت سے علماء سے رجوع کرنے پر معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ہو چکی اور تیسری بار کی طلاق مغلطہ ہے۔ چند متبحر علماء کا کہنا ہے کہ طلاق کے بعد رجوع یا نکاح، طلاق کو باطل کر دیتا ہے اور مطلقہ پہلے ہی کی طرح بیوی بن جاتی ہے۔ طلاق نکاح کو فوراً باطل نہیں کرتی، جبکہ نکاح یا رجوع طلاق کو فوراً باطل کر دیتا ہے۔ رجوع یا نکاح کے بعد دی گئی طلاق جمع نہیں رہتی، بلکہ باطل ہو جاتی ہے اور مطلقہ بالکل پہلے ہی کی طرح اس کی بیوی ہو جاتی ہے۔ ایام عدت میں رجوع کا مطلب تو یہ ہوا کہ طلاق پوری طرح موثر نہیں ہوئی تھی کہ بغیر نکاح کے ہی (رجوع کرنے پر) وہ اس کی بیوی بن جاتی ہے، جبکہ ایام عدت کے بعد نکاح کا مطلب یہ ہوا کہ ایک غیر عورت کی طرح معاملہ ہوا کہ نکاح اور مہر وغیرہ کی نوبت آئی، کیا پھر بھی وہ طلاق جمع رہے گی اور آئندہ اس کا شمار ہوگا؟..... کیا قرآن و حدیث سے یاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔

بعض علماء نے کوئی جواب نہ دیا، بعض جگہوں سے متضاد جوابات آئے، جن میں عقلی و نقلی کوئی دلیل نہیں۔ فقہ حنفی کی کتب تو غیر معقول باتوں سے بھری پڑی ہیں، جیسے ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی ان کے ہاں تین ہی تسلیم کر لی جاتی ہیں۔ براہ مہربانی کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا منسوخ شدہ طلاق بھی جمع رہتی ہے؟ یعنی ایک طلاق کی صورت میں ایام عدت گزارنے کے بعد اگر نکاح کر لیا تو پہلی طلاق جمع رہے گی، اور جب کبھی دوبارہ طلاق دے گا تو یہ طلاق کیا دوسری شمار ہوگی؟

نیز ایک عالم دین طلاق مغلطہ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ تیسری طلاق اس معنی میں مغلطہ ہے کہ اس سے ایام عدت میں پہلی دو طلاقوں کی طرح رجوع نہیں کر سکتے، البتہ جب ایام عدت گزر جائیں گے تو وہ عورت بالکل غیر عورت کی طرح ہوگی، اب اس سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس کی بھی وضاحت فرمادیں۔ جزاکم اللہ

الجواب بعون اللہ الوہاب

(۱) محترم سائل نے سوال کرنے میں معاملہ کو الجھا دیا ہے۔ جو کچھ بھی سمجھا، ان کا ایک سوال تو یہ ہے کہ آیا رجوع طلاق کو باطل کر دیتا ہے یا نہیں؟ (اس سوال میں نکاح کی بات نہ کرنی چاہیے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ رجوع طلاق کو باطل نہیں کرتا، بلکہ وہ طلاق شمار ہوگی۔ اس کی نقلی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الطلاق کی ابتدا ہی میں اس کے پہلے باب میں بیان کرتے ہیں:

”إِذَا طَلَّقَ الْحَائِضُ يُعْتَدُّ بِذَلِكَ الطَّلَاقُ“

”جب کوئی اپنی حائضہ بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق محسوب ہوگی یا نہیں؟“ کے تحت لائے ہیں اور یہ اس کتاب الطلاق کی تیسری حدیث ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان سے کہیے کہ رجوع کر لیں۔ (الحدیث) اسی حدیث کے آخر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ پوچھا گیا ”آیا وہ طلاق شمار ہوئی تھی یا نہیں؟“ تو انہوں نے جواب دیا کہ ”ہاں ہوئی تھی“

یہ طلاق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں دی تھی جبکہ حیض کی حالت میں طلاق منع ہے۔ تو جب حیض کی حالت میں غیر مسنون طریق پر دی گئی طلاق شمار ہوگی تو مسنون طریق پر دی گئی طلاق کیوں شمار نہ ہوگی؟

اور عقلی جواب یہ ہے کہ اگر طلاق شمار ہی نہ ہو تو رجوع کا کیا سوال ہے؟ اور یہ طلاق، طلاق کیوں ہے؟

(۲) دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عدت کا پورے کا پورا عرصہ مطلقہ عورت اپنے خاوند کی زوجیت میں ہوتی ہے۔ لہذا سوال نامہ کے یہ الفاظ کہ ”طلاق پوری طرح موثر نہیں ہوئی تھی اور بغیر نکاح کے ہی (رجوع کرنے پر) وہ اس کی بیوی بن جاتی ہے“ بالکل بے معنی ہے۔ رجعی طلاقوں کی عدت کے دوران رجوع سے پہلے بھی وہ اس کی بیوی ہی ہوتی ہے اور

رجوع کے بعد بھی بیوی ہوتی ہے، رجوع کرنا یا نہ کرنا اس کی زوجیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اس عدت کے دوران عورت کی رضا مندی کے بغیر بھی مرد کو حق رجوع حاصل ہوتا ہے اور اسی کی دلیل قرآن کریم کے درج ذیل الفاظ ہیں:

فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَخْصُوا الْعِدَّةَ. (الطلاق: ۱)

جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لیے طلاق دو اور عدت کو شمار کرتے رہو۔

اور یہ خطاب مردوں کو ہے، عورتوں کو نہیں..... اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ مطلقہ عورت خاوند کی زوجیت میں ہو۔ ورنہ غیر عورت کی عدت گننے کا کسی کو کیا حق حاصل ہے؟

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ جب عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں اور عدت گزر جائے تو وہ عورت بالکل غیر عورت کی طرح نہیں کہ اسی سے نکاح کیا جاسکے۔ جیسا کہ سوال کی آخری سطور میں ہے کہ:

البتہ جب ایام عدت گزر جائیں تو وہ عورت بالکل غیر عورت کی طرح ہوگی، اب اس سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ایسی عورت بالکل غیر عورت کی طرح نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایسی عورت ہوتی ہے جسے اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہے اور یہ اب اس پر حلال نہیں ہو سکتی، تا آنکہ یہ عورت اپنی رضا مندی سے (بغیر حیلہ جوئی کے) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ مرد اپنی رضا مندی سے کسی وقت اسے طلاق دے دے یا مرجائے، تو اس صورت میں ہی یہ عورت عدت گزارنے کے بعد اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو سکتی ہے اور اس پر دلیل سورہ البقرہ کی آیت ۲۳۰ ہے:

”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“

(۴) اور چوتھی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر لیا تو آیا پہلے نکاح کے دوران دی گئی طلاقیں محسوب ہوں گی یا نہیں؟..... بالفاظ دیگر کیا وہ جمع رہتی ہیں یا باطل ہو چکی ہوتی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نکاح کے

دوران دی ہوئی طلاق یا طلاقیں محسوب نہیں ہوں گی۔ اس نکاح کے بعد مرد کو اسی طرح تین طلاقیں دینے کا حق حاصل ہوگا، جس طرح پہلے نکاح کے وقت تھا۔ کیونکہ یہی بات نکاح و طلاق کے متعلق بتائے ہوئے شرعی قوانین کے مطابق ہے۔ اور جو لوگ پہلے نکاح کی طلاقیں بھی شمار کرنے بیٹھ جاتے ہیں تو اس کا بار ثبوت ان پر ہے، ہم پر نہیں..... ہم آخر کیوں ایسی باتوں کا سراغ لگائیں یا ان کے دلائل تلاش کریں، جو شرعاً اور عقلاً دونوں طرح سے غلط معلوم ہوتی ہیں؟

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ جو مرد و عورت ایک دفعہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں حتی الامکان ان میں جدائی بذریعہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ اسی وجہ سے باہمی تنازعہ کی صورت میں فریقین سے ثالثی سمجھوتہ کا حکم دیا گیا، حیض کی حالت میں طلاق کو ممنوع قرار دیا گیا، طلاقیں ایک کی بجائے تین مقرر ہوئیں، وقفہ وقفہ پر عدت کے دوران بیوی کو ایام عدت خاوند کے گھر پر گزارنے کا حکم دیا گیا اور اس دوران نان و نفقہ اور سکنی کا بار خاوند پر ڈالا گیا تاکہ کسی وقت بھی میاں بیوی کو مل بیٹھنے کا موقع میسر آتا رہے اور ازدواجی تعلق میں اللہ تعالیٰ نے ایسے تاخیر رکھ دی ہے کہ بعض دفعہ میاں بیوی کے تنازعات اس ذریعہ سے از خود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن فقہ حنفی والوں کا مزاج اس سے مختلف نظر آتا ہے وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین شمار کر لیتے ہیں اور اگر خاوند اپنی بیوی کو محض ڈاک میں طلاق بھیج دے، خواہ عورت اپنے میکے میں بیٹھی ہو تو ان میں مفاہمت کی صورت نہیں سوچتے۔ البتہ ایسی طلاقوں کو موثر قرار دے دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں کتاب و سنت کی روشنی میں فی الواقع جدائی کی نوبت آ جاتی ہے، یعنی طلاق بائنہ تو اس وقت انہیں فریقین میں شارٹ کٹ یعنی حلالہ کا نکاح بھلا معلوم ہونے لگتا ہے..... حالانکہ ایسا نکاح حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حلالہ نکالنے والے اور نکلوانے والے دونوں کو

ملعون قرار دیا ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب



”ایک مجلس کی تین طلاقیں“۔ برصغیر پاک و ہند میں اس لحاظ سے ایک نہایت اہم مسئلہ ہے کہ فقہی جموں میں جتنا علماء نے اس کی وجہ سے عوام کو سخت پریشانی سے دوچار کر رکھا ہے۔

اسلام میں یہ ایک وقت تین طلاقیں دینا یکسر ناجائز، مخالفِ الٰہی کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی رو سے کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء و مذاق ہے۔

مذکورہ علماء اسے نافذ کر کے عوام کے گھر اٹارتے ہیں یا انہیں حالے جیسے ملعون کام اور بے فیرقی اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کی پر سکنت تعلیمات اور خطائے الٰہی سے بھی گریز کرتے ہیں۔ قسم بالائے قسم اسے قرآنی آیت کا مفہوم حدیث رسول کے عین مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف باور کراتے اور اس پر ایمان امت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں الٰہی دعوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے ان کے واکل کو پرکھا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ علمائے احناف کا موقف فقہی جموں پر مبنی ہے وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منشا۔ اسی طرح اس پر ایمان امت کا دعویٰ بھی بنے بنیاد ہے۔

فاضل مصنف ”مولانا عبدالرحمن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ“ کا انداز بیان محققانہ بھی ہے اور ناصحانہ بھی نیز ان کی یہ کتاب دیگر کتابوں کی طرح نہایت مفید بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

حررہ اللہ عنا وعنہ جمیع المسلمین خیر الجزاء

صافقہ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تالیف و ترجمہ

دارالسلام لاہور

شعبہ ادبی الاخریٰ۔ ۱۳۲۵ھ

اگست ۲۰۰۳ء